www.monthlycrimebureau.com

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ

CRIME BUREAU

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

اگست 2026

قیمت: 200 روپے

یومِ آزادی اور اس کا پیغام

پاکستان، سعودی عرب اور ترکی کے اتحاد پر انڈیا میں تشویش کیوں ہے؟

سسٹم کولیپس کر گیا
محسن نقوی کا اعتراف

امریکہ کے ساتھ محدود جنگ ایران کے لیے امن کے مقابلے میں زیادہ فائدہ مند کیوں ہو سکتی ہے؟

سعودی عرب کی جیلوں میں سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی کہانی

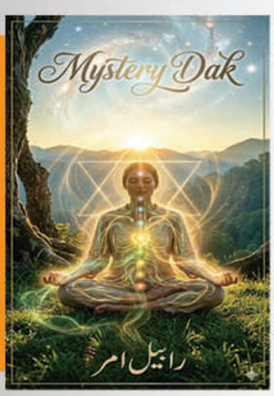

مسٹری ڈاک

میر رضا علی کی موت
عدالتی کمیشن کی تشکیل موخر

'آپ کے پاس 12 گھنٹے ہیں'
جب موساد کے مبینہ ایجنٹوں نے ایران کے حکومتی اور فوجی حکام سے رابطے کیے

کراچی سے کینیڈا تک
ایک نئے جہان کی جانب سفر

UNIQUE
MOTORCYCLES
UNIQUE
BATTERIES
اجوا
COOKING OIL
& BANASPATI
CELEBRATING A UNIQUE
79TH
INDEPENDENCE DAY
12V - 185AH
X1800
ہمیشہ کا ساتھ
UNIQUE
BATTERIES
Tubular X Series
Tall Tubular Deep Cycle Battery
UNIQUE

www.monthlycrimebureau.com

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ

CRIME BUREAU

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

جلد نمبر 06 | اگست 2026ء | شمارہ نمبر 09

قیمت: 200 روپے

فرمان الٰہی

بے شک تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کردیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے اور اُن کو دیکھ رہا ہے۔

(سورۃ بنی اسرائیل آیت 30)

فرمان مصطفیٰ ﷺ

تجارت میں جھوٹ بولنے والے اور عیب چھپانے والے کے کاروبار سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔

(بخاری 14/2، حدیث: 2082)

فہرست

یوم آزادی اور اس کا پیغام	05-06
میر رضا علی کی موت، عدالتی کمیشن کی تشکیل موخر	07
پاکستان، سعودی اور ترکی کے اتحاد پر انڈیا میں تشویش کیوں ہے؟	08-09
محسن نقوی کے بیانات کا مطلب کیا ہے؟	10-11
جب موساد کے مبینہ ایجنٹوں نے ایران کے حکام سے رابطے کیے	12-13
سسٹم کولیپس کر گیا، محسن نقوی کا اعتراف	14
جب بینظیر بھٹو کو اپنی حکومت جانے کی 'بریکنگ نیوز' افواہ لگی	15-16
امریکہ کے ساتھ محدود جنگ ایران کیلئے زیادہ فائدہ مند کیوں ہو سکتی ہے؟	17
سعودی عرب کی جیلوں میں سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی کہانی	18-19
یوم شہدائے پولیس کا مقصد اور پیغام	20
مسٹری ڈاک	21
لیاری گینگ وار کے اہم کردار کی جرم میں لپٹی زندگی کی کہانی	22-23
کراچی سے کینیڈا تک: ایک نئے جہان کی جانب سفر	24-25
چنیوٹ میں لوہے اور تانبے کے ذخائر	26
سستی ایئرلائنز کو بچانے کا منصوبہ:	27
'ارشد آپ نے اپنا کیا حال کر لیا ہے':	28

چیف ایڈیٹر: شیخ حسین امر
سر پرست اعلیٰ: سید عامر حسین
ایڈیٹر: عرفان ساگر
ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر
منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ
ایڈیٹر انوسٹی گیشن: زاہد شاہ
مجلس ادارت:
راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر جعفر عباس، سمیر قریشی، ملیحہ عمران (انگلینڈ)، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)، عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسد اللہ خان، طارق پٹھان
انچارج انوسٹی گیشن ٹیم: انعام شاہ (03043010516)
چیف رپورٹر: انور سلطان (0300 2056305)
کرائم رپورٹرز:
عمیر خان، عمران شاہد، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں، محمد احسن، محمد آصف نور العارفین، نعمان صافی، سلطان چاکی سومرو احسن کنندی (فیصل آباد)
چیف فوٹو گرافر: عبدالستار قریشی **فوٹو گرافر:** آصف قریشی
بیورو چیف: نوید میو (اسلام آباد) سعدیہ حق (لاہور)
چوہدری مستقیم (چنیوٹ) عبدالغفور سروہی (حیدرآباد)
ڈپٹی بیورو چیف: ہارون علی (چنیوٹ)
اعزازی رپورٹر: ساجد علی شاہ (چنیوٹ)
ڈسٹرکٹ رپورٹرز: محمد نعیم (چنیوٹ)
ابرار احمد (سوات) مراد عباسی (پنو عاقل)
آفتاب سروان (ٹھٹھہ)
اسپیشل رپورٹر:
راؤ عدنان
قانونی مشیران: امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ
امان اللہ یوسفزئی ایڈووکیٹ، نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر آفس نمبر 1، پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائد آباد ملیر سے شائع کیا
monthlycrimebureau@gmail.com
crimebeauru@gmail.com

صدر ولی محمد ملیک

جنرل سیکریٹری ہارون ناخوا

پٹنی اسپتال نیو کراچی کے دورے پر صدر پٹنی برادری ولی محمد ملیک، یوسف سومرہ، حسین پٹنی ودیگر کا گروپ فوٹو

مریم علی۔ محمد گوال

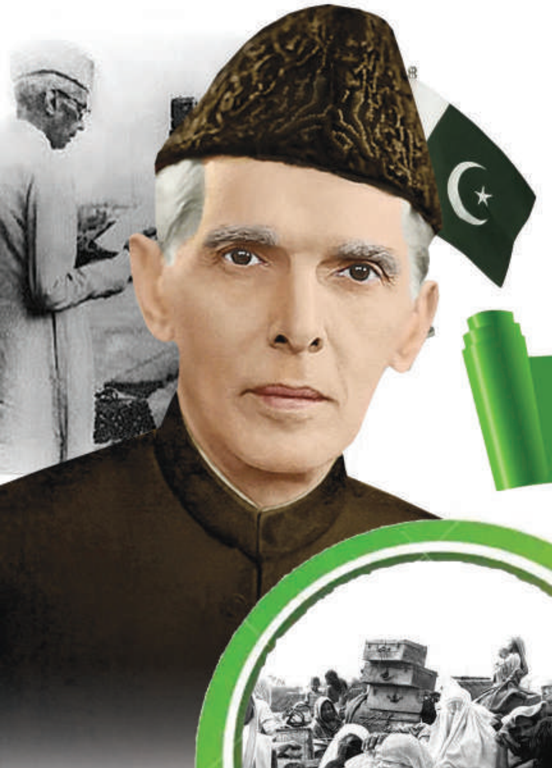

یومِ آزادی اور اس کا پیغام

14 اگست 1947 کو برصغیر پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش نے برٹش استعمار کی غلامی سے آزادی حاصل کی تھی اور اسی روز دنیا کے نقشے پر ''پاکستان'' کے نام سے ایک نئی اسلامی ریاست نمودار ہوئی تھی۔ اس خوشی میں اس دن ہر سال یوم آزادی منایا جاتا ہے، ہر طبقہ اس خوشی میں شریک ہوتا ہے اور ہر طرف جشن کا سماں نظر آتا ہے، اس کے مختلف مناظر ہم نے بھی دیکھے۔

ایک منظر یہ تھا کہ ۱۲ اگست کو جب میں دوپہر کے وقت الشریعہ اکادمی سے گھر واپس آ رہا تھا کہ جس ویگن پر سوار تھا اس نے اچانک اپنا رخ جی ٹی روڈ سے شہر کے اندر جانے والی سڑک کی طرف موڑ لیا۔ کنڈیکٹر سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یوم آزادی آ رہا ہے اور وزیر اعلیٰ پنجاب لاہور میں جو جلسہ کر رہے ہیں اس کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی غرض سے پولیس ویگنوں کو قبضہ میں لے رہی ہے، اس لیے ہم اندرونی سڑک کی طرف مڑ گئے ہیں، کیونکہ آگے پولیس کا ناکہ ہے سیدھے گئے تو پکڑے جائیں گے اور پھر دو تین روز تک گاڑی سمیت ہم پولیس کی تحویل میں ہوں گے۔ اس احتیاط کے باوجود وہ ویگن بچ نہیں سکی اور جب اندرونی سڑک سے چکر کاٹ کر ڈرائیور ویگن کو ایمن آبادی دروازے سے جی ٹی روڈ پر لایا تو ٹریفک پولیس کے دو کارندے موٹر سائیکل پر وہاں بھی کھڑے تھے، انہوں نے ویگن کو قابو کر لیا۔ مجھے تو وہیں اترنا تھا اس لیے پریشانی نہیں ہوئی مگر جن مسافروں نے آگے جانا تھا انہیں بھی وہیں اترنا پڑا۔

مجھے اگلے روز یوم آزادی ہی کی ایک تقریب کے سلسلہ میں لاہور جانا تھا۔ ''بے کار'' شخص ہوں پبلک ٹرانسپورٹ ہی میرا ذریعہ سفر ہوتا ہے، اس لیے فکر لاحق ہوئی کہ اگر ویگنوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو لاہور کا سفر کیسے کر سکوں گا؟ مگر خدا بھلا کرے ''ق لیگ'' والوں کا کہ انہوں نے سندھ و بلوچستان کے سیلاب زدگان کی ہمدردی میں لاہور کا جلسہ منسوخ کر دیا اور ویگنوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ ختم ہوا۔

دوسرا منظر جو میرے مشاہدے میں آیا وہ میرے ہی شہر گوجرانوالہ کے زندہ دلوں کی وہ ''موٹر سائیکل ریس'' تھی جو چودہ اگست کی شام کو جی ٹی روڈ پر شروع ہوئی اور رات گئے تک جاری رہی۔ سینکڑوں کی تعداد میں نوجوان موٹر سائیکلوں پر سوار گھومتے رہے۔ ایک ایک موٹر سائیکل پر چار چار پانچ پانچ سوار تھے۔ بعض نے غبارے پکڑ رکھے تھے، بعض جھنجھنے بجا رہے تھے، جن کے پاس اور کچھ نہیں تھا وہ اپنی زبان اور حلق سے کام لے رہے تھے۔ بعض منچلوں نے اپنی موٹر سائیکلوں کے سائیلنسر نکال رکھے تھے اور جب وہ تیز رفتاری کے ساتھ ادھر ادھر جاتے تو ایسے لگتا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے ہیں۔ میں رات دس بجے کے قریب سیالکوٹ روڈ پر یوم آزادی کی ایک تقریب میں شرکت کے بعد مولانا حافظ محمد ارشد کے ہمراہ ان کی موٹر سائیکل پر گھر واپس آ رہا تھا تو ان زندہ دل نوجوانوں کے درمیان سے گزرنے کا موقع ملا اور انہیں ''انجوائے'' کرتے دیکھ کر دل میں یہ خیال آیا کہ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے، ہم نے انہیں آزادی کا جو مفہوم بتایا ہے اور آزادی کا جو ماحول فراہم کیا ہے، اس میں یہ اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟

اس سال یوم آزادی کے حوالے سے تین تقریبات میں شرکت کا موقع ملا۔ ۱۳ اگست کو مغرب کے بعد مسجد امن باغبانپورہ لاہور میں پاکستان شریعت کونسل کے صوبائی سیکرٹری جنرل مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر نے ''آزادی اور اس کے تقاضے'' کے عنوان سے سیمینار کا اہتمام کر رکھا تھا۔

۱۴ اگست کو ظہر کے بعد مدرسہ فاروقیہ چوک امام صاحبؒ سیالکوٹ میں اسی عنوان پر تقریب منعقد ہوئی اور رات کو عشاء کے بعد جمعیۃ اہل سنت گوجرانوالہ کے سیکرٹری جنرل مولانا حافظ گلزار احمد آزاد نے مسجد ختم نبوت ابوبکر ٹاؤن میں تقریب کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ ان تقریبات میں راقم الحروف نے جو گزارشات پیش کیں ان میں بنی اسرائیل کی اس تحریک آزادی کا تذکرہ بھی شامل تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں بپا ہوئی اور جس کے مختلف مراحل کا قرآن کریم میں تذکرہ موجود ہے۔ اس کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر جب ہم کلامی کے شرف اور نبوت و رسالت سے سرفراز کیا اور ان کے ساتھ ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی تو انہیں فرعون کے پاس دو پیغام دے کر بھیجا۔ ایک پیغام اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کے بارے میں تھا اور دوسرا بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کرنے کے حوالے سے ان الفاظ میں تھا کہ ''فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبھم'' بنی اسرائیل کو غلامی کے عذاب سے نجات دو اور آزادی دے کر ہمارے ساتھ بھجوا دو۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشن کے دو

حصے تھے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حاکمیت کا پرچار اور دوسرا بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزادی دلوانا۔ چنانچہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس دعوت اور مطالبے کے جواب میں اپنے احسانات یاد دلائے کہ ہم نے کس طرح بچپن میں آپ کی پرورش کی اور آپ کو پال پوس کر جوان کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو یہ تاریخی جواب دیا کہ ''وتلک نعمۃ تمنھا علی ان عبدت بنی اسرائیل'' تم مجھ پر اس احسان کو جتلا رہے ہو کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں اس مہم میں کامیابی عطا فرمائی اور آزادی کی منزل سے ہمکنار کیا۔ بنی اسرائیل بحیرہ قلزم پار کر کے صحرائے سینا میں پہنچ گئے اور فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہوا۔ صحرائے سینا میں بنی اسرائیل نے کیمپ لگائے اور اللہ تعالیٰ نے ''من وسلویٰ'' کی بارش کی تو قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قانون اور شریعت کا تقاضا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے، چالیس راتیں وہاں رہے اور واپسی پر توراۃ کی صورت میں شریعت اور دستور لے کر آئے، مگر بنی اسرائیل کا ایک بڑا حصہ ان کی واپسی کا انتظار کیے بغیر بچھڑے کو خدا بنا چکا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ان سے نمٹنا پڑا، پھر حالات نارمل ہونے پر بنی اسرائیل کے سامنے توراۃ کی صورت میں شریعت پیش کی تو بنی اسرائیل نے اسے یہ کہہ کر ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ قوانین بہت سخت ہیں، ان پر عمل کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے، اس لیے ان میں رد و بدل کیا جائے اور ان کی جگہ دوسرے قوانین لائے جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم عدولی پر سزا کے لیے کوہ طور کو ان کے سروں پر اٹھا دیا اور خوفناک سزا کی دھمکی دی جس پر بنی اسرائیل نے توراۃ کو قبول کرنے کا راستہ اختیار کیا۔

اس کے بعد دوسرا مرحلہ فلسطین کو دشمنوں کے قبضے سے چھڑانے اور بیت المقدس میں داخل ہونے کا تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے بنی اسرائیل کو جہاد کا حکم دیا، مگر غلامی کی ماری ہوئی اس قوم نے جہاد کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ دشمن کی قوم بڑی طاقتور اور سخت ہے۔ ہم اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے، اس لیے ہم ان سے جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خدا کا خوف دلایا اور دوبارہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ جہاد فرض کیا ہے اور کامیابی دلانے کا وعدہ کیا ہے، اس لیے ہمت کر کے میدان میں نکلو اور بیت المقدس کی آزادی کے لیے جہاد کرو، مگر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہہ کر صاف جواب دے دیا کہ ہم تو کسی صورت جہاد کے لیے تیار نہیں ہیں، اگر یہ جہاد ضروری ہے تو آپ اور آپ کا رب دونوں جا کر جنگ لڑیں ہم یہیں بیٹھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس حکم عدولی کی بنی اسرائیل کو یہ سزا دی کہ چالیس سال تک انہیں صحرا میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اب تم چالیس برس تک اسی صحرا میں سرگرداں پھرتے رہو گے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی اس نسل نے انہی صحرائی کیمپوں میں زندگی بسر کی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات وہیں ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی اسی صحرا میں ہوئی۔ بیت المقدس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تڑپ اور جذبات کا اندازہ اس بات سے کر لیں کہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق وفات کے وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ زندگی میں بیت المقدس تک نہیں پہنچ سکا تو کم از کم وفات کے بعد میری قبر ہی بیت المقدس کے قریب کر دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرشتوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کو بیت المقدس کے اتنا قریب کر دیا جتنی دور تک پتھر پھینکا جا سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے، مگر ان کی تمام تر عظمت اور بزرگی کے باوجود چونکہ ان کی قوم نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا، اس لیے جہاد کے جذبہ اور بیت المقدس کی آزادی کی خواہش کے باوجود انہیں قوم کے ساتھ صحرائے سینا میں ہی زندگی بسر کرنا پڑی۔ اور ان کی وفات کے بعد چالیس سال کا عرصہ گزرنے پر ان کے جانشین حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں جہاد کر کے بنی اسرائیل نے بیت المقدس کو دشمنوں سے آزاد کرایا اور وہاں بنی اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی۔

بنی اسرائیل کی اس تحریک آزادی کے تذکرہ سے میری غرض یہ ہے کہ ہم بھی اسی قسم کے حالات سے گزر رہے ہیں اور ان جیسی حرکتوں کے مرتکب ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے انگریزوں کی غلامی سے نجات دلائی اور ہندوؤں سے الگ کر کے پاکستان جیسی عظیم اسلامی ریاست دلوائی، مگر جب پاکستان میں شریعت اسلامی کے نفاذ کا مرحلہ آیا تو ہم نے اس سے انکار کر دیا، اور جہاد کا موقع آیا تو ہم اس کے لیے بھی تیار نہ ہوئے۔ دونوں جگہ ہمارا عذر وہی ہے جو بنی اسرائیل کا تھا۔ نظامِ شریعت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ قوانین بہت سخت ہیں، آج کے دور میں قابل عمل نہیں ہیں اور

اتنے سخت قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ جبکہ جہاد کے حوالے سے ہمارا موقف یہ ہے کہ دشمن ہم سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے، اس کے پاس فوجیں زیادہ ہیں، ٹیکنالوجی زیادہ ہے، قوت زیادہ ہے، اس لیے ہم اس سے لڑنے کی سکت نہیں رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے لیے تیار ہیں۔

اس کے بعد اگلا مرحلہ ''صحرا میں بھٹکتے پھرنے'' کی سزا کا ہے اور اگر ہم سب کی حس مردہ نہیں ہو گئی اور ہم سب کا شعور جواب نہیں دے گیا تو ہم پر یہ سزا نافذ ہو چکی ہے اور یہ عذاب ہم پر پوری طرح مسلط ہے۔ ہم دنیا کے اس صحرا میں بے بسی اور لاچاری کے عالم میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ کوئی ہمارا ہاتھ تھامنے والا نہیں ہے اور کوئی ہمیں راستہ بتانے والا نہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس پیغمبر موجود تھے جنہوں نے سزا کی مدت بیان کر دی تھی کہ یہ سزا چالیس سال تک جاری رہے گی، مگر ہمارے پاس سزا کی مدت بیان کرنے والا کوئی نہیں ہے کہ ہم نے کب تک مجبوری اور ذلت کے اس صحرا میں سرگرداں رہنا ہے۔

اس لیے حالیہ یوم آزادی کا ہم سے سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ ہم احساس اور شعور کی مردگی کے ماحول سے نکلنے کی کوشش کریں، اپنے موجودہ حالات کا ادراک حاصل کریں، آزادی کا مطلب پہچانیں، پاکستان کی نعمت کی قدر کریں، اپنی نئی نسل کو آزادی کے تحفظ اور پاکستان کی ترقی کے لیے تیار کریں، دشمن اور اس کے طریق واردات کو سمجھیں، اگلی پود کو اس کے مقابلہ کے لیے تیاری کرائیں، اور اپنے عقیدہ، دین، شریعت، تہذیب اور روایات کو اگلی نسل تک صحیح صورت میں منتقل کرنے کی کٹھن ڈیوٹی سے عہدہ برآ ہونے کی جدوجہد کریں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی ''یوشع بن نون'' پیدا ہو جائے اور اس کی قیادت میں قوم آزادی کی اصل منزل سے ہمکنار ہو جائے۔

ماہنامہ کرائم بیورو کراچی

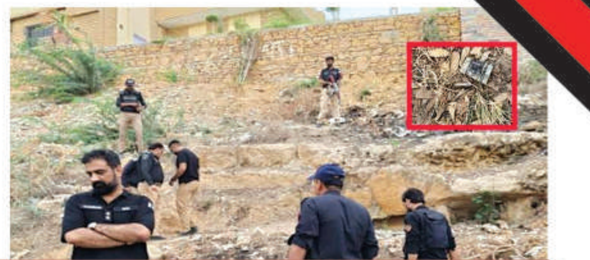

میر رضا علی کی موت

عدالتی کمیشن کی تشکیل موخر

شرجیل میمن کا سوشل میڈیا مہم کے خلاف این سی سی آئی سے رجوع

کراچی میں 25 سالہ نوجوان میر رضا علی کی موت کا معاملہ بدستور شہ سرخیوں میں ہے اور ان کے اہلخانہ کی جانب سے اس واقعے کی عدالتی تحقیقات سے انکار کے بعد حکومتِ سندھ نے جوڈیشل کمیشن کی تشکیل کا فیصلہ موخر کر دیا ہے۔ ادھر سندھ کے سینیئر وزیر شرجیل میمن نے اس معاملے میں انھیں ملوث کیے جانے کی سوشل میڈیا مہم کے خلاف نیشنل سائبر کرائم انویسٹی گیشن ایجنسی (این سی سی آئی اے) سے رجوع کیا ہے۔

میر رضا علی 28 جولائی کو لاپتہ ہوئے تھے اور اگلے روز ان کی لاش کراچی کے علاقے گلستان جوہر سے ملی تھی۔ ان کے اہلخانہ کا ابتدا سے ہی موٌقف رہا ہے کہ انھیں اغوا کرنے کے بعد تشدد کر کے قتل کیا گیا۔ کراچی پولیس ابتدائی طور پر اس تناظر میں تحقیقات کر رہی تھی کہ میر رضا نے خودکشی کی تاہم اہلخانہ کے اصرار اور پولیس سرجن کی جانب سے ابتدائی پوسٹ مارٹم پر اٹھائے گئے سوالات کے بعد قبر کشائی کے بعد ان کا دوسری بار پوسٹ مارٹم کیا گیا جس میں سامنے آنے والی چوٹوں کی تفصیلات کے بعد خودکشی کا امکان مسترد کرتے ہوئے مقدمے میں قتل کی دفعہ شامل کر دی گئی ہے تاہم دو ہفتے کا وقت گزر جانے کے باوجود پولیس نے تاحال کسی فرد کو اس معاملے میں گرفتار نہیں کیا ہے۔

گیسٹ ہاؤس اور سوشل میڈیا مہم

پاکستانی سوشل میڈیا پر میر رضا علی کی لاش ملنے کے بعد سے ان کی موت کی وجوہات اور ذمہ داران کے بارے میں قیاس آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تھا اور اب سندھ کے سینیئر وزیر شرجیل انعام میمن نے اپنے اور اپنے بیٹے راول میمن کے خلاف سوشل میڈیا پر چلنے والی مبینہ مہم کے خلاف این سی سی آئی اے سے شکایت کی ہے۔ یہ شکایت ان کی جانب سے وکلا کے ذریعے کراچی کے سائبر کرائم رپورٹنگ سینٹر میں جمع کرائی گئی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ بعض سوشل میڈیا اکاؤنٹس سے شرجیل میمن اور ان کے خاندان کے بارے میں ایسی پوسٹس اور ویڈیوز شیئر کی گئیں جن میں مبینہ طور پر جھوٹے دعوے کیے گئے۔ شکایت کے مطابق نو اگست کو فیس بک کے بعض پیجز اور گروپس پر ایسی پوسٹس شیئر کی گئیں جن میں گلستانِ جوہر کے اس گیسٹ ہاؤس کو، جہاں مبینہ طور پر میر رضا علی کی موت کا واقعہ پیش آیا، شرجیل میمن کی ملکیت قرار دینے کی کوشش کی گئی اور یہ بھی کہا گیا کہ اس واقعے کے بعد شرجیل میمن کے بیٹے راول میمن اپنے سکیورٹی گارڈ کے ہمراہ لندن چلے گئے۔ شرجیل میمن کے وکلا نے ان الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ صوبائی وزیر یا ان کے بیٹے کا مذکورہ گیسٹ ہاؤس، میر رضا علی کی موت یا اس واقعے میں ملوث افراد سے کوئی تعلق نہیں۔ یاد رہے کہ گلستان جوہر میں جس مقام سے میر رضا کی لاش ملی تھی اس کے قریب ایک گیسٹ ہاؤس واقع ہے۔ میر رضا کے والد نے بی بی سی کو بتایا تھا کہ وہ تدفین کے دوسرے روز اس مقام پر گئے تھے اور جب وہ اس گیسٹ ہاؤس پر پہنچے تو انھیں دیکھ کر ملازم فرار ہو گئے تھے۔ اس بارے میں جب بی بی سی کی جانب سے فیروز آباد تھانے کی تفتیشی شعبے سے رابطہ کیا گیا تھا تو انہوں ں ے اس بارے میں کوئی بھی تبصرہ کرنے سے انکار کیا تھا اور صرف اتنا کہا تھا کہ یہ مدعی کی رائے ہے اور تفتیش کے دوران ایسے کوئی ثبوت نہیں ملے ہیں۔ شرجیل میمن کی جانب سے دائر درخواست میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ سوشل میڈیا پوسٹس میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ میر رضا علی کی موت کی تحقیقات کے لیے بنائے گئے میڈیکل بورڈ کو تبدیل کیا گیا تا کہ طبی اور فرانزک شواہد میں مبینہ طور پر تبدیلی کی جا سکے۔ شکایت میں کہا گیا ہے کہ مختلف سوشل میڈیا اکاؤنٹس سے ایک جیسے مواد کا شیئر کیا جانا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ مبینہ طور پر ایک منظم مہم چلائی گئی۔ شرجیل میمن نے این سی سی آئی اے سے درخواست کی ہے کہ ان سوشل میڈیا اکاؤنٹس کی تحقیقات کی جائیں اور ان کے آئی پی ایڈریسز اور سم کارڈ کی معلومات کا جائزہ لیا جائے تا کہ معلوم ہو سکے کہ مبینہ مہم کے پیچھے کون لوگ ہیں۔ میر رضا علی کے اہلخانہ کی جانب سے فی الحال اس معاملے کی تحقیقات کے لیے عدالتی کمیشن کی ضرورت نہ ہونے کی رائے کے بعد سندھ کے وزیرِ داخلہ ضیاالحسن لنجار نے کہا ہے کہ کمیشن کی تشکیل کا فیصلہ موخر کر دیا گیا ہے۔

اس سے قبل اتوار کو سندھ کے وزیر داخلہ ضیاالحسن لنجار نے کہا تھا کہ میر رضا علی کے قتل کیس کی عدالتی تحقیقات کرائی جائیں گی اور سندھ کے وزیراعلیٰ کی سفارش پر سندھ ہائی کورٹ کے ایک جج کی سربراہی میں عدالتی کمیشن تشکیل دیا جائے گا۔

تاہم وزیرِ داخلہ کی جانب سے پیر کو جاری کیے گئے بیان میں کہا گیا ہے کہ سندھ حکومت نے شفافیت یقینی بنانے اور متاثرہ خاندان کو مکمل اطمینان دلانے کے لیے عدالتی تحقیقات کرانے کا فیصلہ کیا تھا تاہم پولیس کی نئی تحقیقاتی ٹیم کی تشکیل کے بعد خاندان کا موٌقف ہے کہ انھیں اس نئی ٹیم پر اعتماد ہے اور وہی اس معاملے کی تحقیقات کرے۔

اس مقدمے کے بارے میں اب تک ہم کیا جانتے ہیں؟

یاد رہے کہ کراچی میں 'وافلکس' نامی کاروبار کے 25 سالہ شریک مالک میر رضا علی 28 جولائی کو اپنے گھر سے نکلے تھے اور بعدازاں اُن کی لاش پراسرار حالات میں کراچی کے علاقے گلستانِ جوہر بلاک ون میں شاہی قلعہ گراؤنڈ کے قریب جھاڑیوں سے ملی تھی۔ کئی روز گزر جانے کے باوجود پولیس تاحال کسی ملزم کو گرفتار نہیں کر سکی جبکہ میر رضا علی کی لاش اور جائے وقوعہ کے حالات اور ابتدائی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے باوجود پولیس یہ گتھی بھی نہیں سلجھا سکی کہ میر رضا علی کی موت کیسے ہوئی۔

جمعرات (چھ اگست) کو اہلخانہ کی درخواست پر مقامی عدالت نے 25 سالہ میر رضا علی کی موت کی از سرِنو تحقیقات کے لیے والد کی جانب سے دائر کردہ قبر کشائی کی درخواست منظور کی تھی۔ عدالت نے پولیس سرجن کراچی اور سیکریٹری صحت سندھ کو ہدایات جاری کی تھیں کہ وہ 'جلد از جلد میڈیکولیگل بورڈ' تشکیل دیں تا کہ قبر کشائی کی جا سکے۔ میڈیکولیگل بورڈ نے قبر کشائی کے بعد میر رضا علی کا دوسری مرتبہ پوسٹ مارٹم کیا اور اپنی رپورٹ میں بتایا کہ نوجوان تاجر کو لگنے والی گولی ان کے کی کمر سے جسم میں داخل ہو کر سینے سے باہر نکلی تھی۔ چار صفحات پر مشتمل پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق میر رضا کی کمر کے بالائی حصے پر گولی لگنے کا نشان موجود تھا، جبکہ گولی چھاتی کے اگلے حصے سے باہر نکلی۔ رپورٹ کے مطابق اس کے نتیجے میں پسلیاں ٹوٹنے کے ساتھ میر رضا کے دل کو بھی شدید نقصان پہنچا۔

ڈاکٹروں کو میر رضا کی پیشانی کے دائیں جانب اور ناک کی ہڈی پر شدید چوٹ کے نشانات بھی ملے ہیں جبکہ اوپری دانتوں اور جبڑے کے قریب خون جما ہوا تھا۔ کھوپڑی کے پچھلے حصے میں بھی فریکچر کی نشاندہی ہوئی ہے یہ تمام چوٹیں موت سے قبل لگنے والی تھیں۔ مزید فرانزک تحقیقات کے لیے میڈیکل بورڈ نے میر رضا کی بال، دانت، ہڈیوں کے ٹکڑے، کفن کے کپڑے کا ایک ٹکڑا اور گولی کی باقیات کی جانچ کے لیے نمونے حاصل کیے ہیں۔ پولیس سرجن ڈاکٹر سمعیہ سید نے اس ابتدائی رپورٹ کی تصدیق کی ہے۔ میڈیکل بورڈ نے فی الحال موت کی حتمی وجہ نہیں بتائی ہے جو کیمیائی تجزیے اور ڈی این اے رپورٹس موصول ہونے کے بعد جاری کی جائے گی۔

مکہ دفاعی معاہدہ:
پاکستان، سعودی عرب اور ترکی کے اتحاد پر انڈیا میں تشویش کیوں ہے؟

’تین ممالک کے مابین ہونے والے معاہدے کی پیش رفت کو ہم قریب سے دیکھ رہے ہیں اور ہم اس پر آپ کو آگاہ رکھیں گے۔‘

یہ انڈیا کی وزارتِ خارجہ کا وہ ردِعمل ہے جو پاکستان، سعودی عرب اور ترکی کے مابین جمعے کو ’مکہ مشترکہ دفاعی معاہدے‘ کے حوالے سے سامنے آیا ہے۔

جمعے کو ہفتہ وار بریفنگ کے دوران انڈین وزارتِ خارجہ کے ترجمان رندھیر جیسوال جب اس سوال کا جواب دے رہے تھے تو پاکستان، سعودی عرب اور ترکی کے رہنما مکہ میں موجود تھے۔

اس معاہدے کے تحت ان تینوں ممالک میں سے ’کسی ایک ملک پر مسلح حملہ، سب پر حملہ تصور کیا جائے گا۔‘

اس معاہدے کے جہاں مشرقِ وسطیٰ کی سیاست پر پڑنے والے اثرات پر بات ہو رہی تو وہیں پاکستان کے ہمسایہ ملک انڈیا میں بھی یہ معاملہ زیرِ بحث ہے۔

تھنک ٹینک بروکنگز انسٹی ٹیوشن کی سینئر فیلو تنوی مدان کہتی ہیں کہ پاکستان سرد جنگ کے دوران بننے والے فوجی اتحادوں سینٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن (سینٹو) اور ساؤتھ ایشیا ٹریٹی آرگنائزیشن (سیٹو) میں شمولیت کی سات دہائیاں بعد ایک نئے فوجی اتحاد میں شامل ہو رہا ہے۔

تنوی مدان نے ایکس پر لکھا کہ ’سیٹو کے آرٹیکل چار میں باہمی دفاع کی شق موجود تھی۔ تاہم امریکہ نے اس میں کچھ شرائط شامل کر رکھی تھیں۔‘

تنوی کے بقول مثال کے طور پر انڈیا اور پاکستان کے درمیان تنازع کی صورت میں امریکہ خود کو اس میں شامل ہونے سے بچا سکتا تھا۔ دوسری جانب پاکستان نے امریکہ کی ان درخواستوں کو مسترد کر دیا تھا جن میں اسے ویتنام جنگ میں حصہ ڈالنے کو کہا گیا تھا۔

سیٹو اور سینٹو سرد جنگ کے دوران امریکہ کی سرپرستی میں بننے والے دو اہم فوجی اور دفاعی اتحاد تھے جن کا مقصد سوویت یونین اور کمیونزم کا راستہ روکنا تھا۔ پاکستان نے 1954 میں اس میں شمولیت اختیار کی تھی۔

ایسے میں سوال اٹھتا ہے کہ کیا ترکی اور سعودی عرب، انڈیا سے تنازع کی صورت میں پاکستان کا ساتھ دیں گے؟

اسرائیلی پوڈ کاسٹر اور وزیراعظم بنیامین نیتن یاہو کے بیٹے یائر نیتن یاہو نے اس معاہدے پر سوال اٹھاتے ہوئے کہا کہ ’تو اگلی بار جب ایران، حوثی یا عراق میں موجود ملیشیا سعودی عرب پر حملہ کریں گی تو کیا ترکی اور پاکستان ایران، عراق اور یمن پر حملہ کریں گے؟ جب انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگ ہو گی تو کیا ترکی اور سعودی عرب انڈیا پر حملہ کریں گے؟‘

’آپریشن سندور‘ کے دوران پاکستان کو چین اور ترکی سے مدد ملی تھی۔ پاکستان نے وہ جنگ اپنی فوج اور دیگر ممالک کے دفاعی ساز و سامان کے بل بوتے پر لڑی۔

ایسے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ سعودی عرب اور ترکی کے ساتھ دفاعی معاہدہ پاکستان کی صلاحیت میں کیا اضافہ کر سکتا ہے؟

انڈیا کے خلاف پاکستان کے پاس جوہری صلاحیت موجود ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی جوہری پالیسی صرف انڈیا پر مرکوز ہے۔

مکہ میں ہونے والا کوئی بھی معاہدہ اس صورتحال کو تبدیل نہیں کرتا۔

یہ معاہدہ جس چیز کو مستقل شکل دیتا ہے وہ حمایت ہے جس نے ’آپریشن سندور‘ کے دوران یہ طے کرنے میں کردار ادا کیا کہ پاکستان کو فوجی مدد کس طرح ملی اور بین الاقوامی سطح پر اس کے مؤقف کو کس انداز میں پیش کیا گیا۔

سعودی عرب سے تعلقات پر اثر

انڈیا اور پاکستان کے بحران میں سعودی عرب کی اہمیت دہلی کے ساتھ اس کے معاشی تعلقات سے جڑی ہوئی ہے۔

انڈیا اور سعودی عرب کے درمیان 43 ارب ڈالر کی دوطرفہ تجارت ہے۔ سعودی عرب نے انڈیا میں توانائی، ریفائننگ، پیٹروکیمیکلز

اور انفراسٹرکچر میں 100 ارب ڈالر تک سرمایہ کاری کی خواہش ظاہر کی ہے۔

انڈیا کے مغربی ساحل پر بڑے ڈاؤن سٹریم منصوبوں میں سعودی آرامکو بھی شریک ہے۔

سعودی عرب میں 25 لاکھ سے زیادہ انڈین کام کرتے ہیں اور کروڑوں ڈالر کما کر وطن بھیجتے ہیں۔

سعودی خام تیل انڈیا کی توانائی درآمدات کا ایک اہم حصہ ہے۔

انڈیا میں کئی برسوں سے ان اعداد و شمار کو سعودی عرب کے ساتھ

تعلقات کی گہرائی کے ثبوت کے طور پر دیکھا جاتا رہا ہے۔

انڈیا پر کیا اثر پڑے گا؟

جس سعودی عرب کے پاس ان تمام معاشی اور سفارتی وسائل کی طاقت ہے، اس نے اب معاہدے کے ذریعے 11 ماہ کے اندر دو مرتبہ اپنی سلامتی کو پاکستان کی سلامتی سے جوڑ دیا ہے۔

ترک صحافی اور بروکنگز انسٹی ٹیوشن کی فیلو اصلی آیدین تاشباس کے مطابق، اسے ابھی مسلم نیٹو یا سنی نیٹو کہنا قبل از وقت ہوگا، لیکن یہ ضرور اشارہ دیتا ہے کہ خطے کے ممالک کی ملکیت پر مبنی ایک علاقائی سلامتی نظام تشکیل دینے کی خواہش موجود ہے۔

عالمی اُمور کے ماہر برہما چیلانی کہتے ہیں کہ اس معاہدے سے مستقبل میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان کسی تنازع کے دوران کشیدگی بڑھنے سے روکنے کی کوششیں مزید پیچیدہ ہو سکتی ہیں۔

جیلانی نے 'ایکس' پر لکھا کہ اگرچہ 'آپریشن سندور' کے دوران پاکستان کو چین سے ترکی کے مقابلے میں کہیں زیادہ فوجی مدد ملی تھی، لیکن ترکی کی براہ راست مدد نے واضح کر دیا تھا کہ انڈیا کے ساتھ تنازع کی صورت میں ترکی پاکستان کی حمایت کے لیے تیار رہے۔

'اگر مستقبل میں انڈیا آپریشن سندور جیسی کوئی کارروائی کرتے ہوئے پاکستان میں دہشت گردی کے ڈھانچے یا فوجی تنصیبات کو نشانہ بناتا ہے تو نظریاتی طور پر اسلام آباد اسے جنگی کارروائی قرار دے سکتا ہے اور معاہدے کی اجتماعی دفاعی شقوں کو نافذ کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔'

اقوامِ متحدہ میں انڈیا کے سابق سفیر ٹی ایس ترمورتی بھی سمجھتے ہیں کہ یہ معاہدہ انڈیا کے حق میں نہیں ہے۔

ترمورتی نے لکھا کہ اُنھوں نے فروری کے آخر میں ایران جنگ شروع ہونے کے بعد فوری بعد کہا تھا کہ ترکی، سعودی عرب اور پاکستان کو اس سے فائدہ ہوگا اور خطے میں اپنی خواہشات اور اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے ان کے پاس زیادہ گنجائش پیدا ہوگی اور یہ انڈیا کے لیے اچھی خبر نہیں ہے۔ اُن کے بقول اب لگتا ہے کہ وہی بات درست ثابت ہو رہی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ ترکی، سعودی عرب اور پاکستان کے مابین نئے دفاعی معاہدے میں نیٹو کے آرٹیکل فائیو جیسی زبان استعمال کی گئی ہے۔

'اگرچہ زیادہ تر لوگ اسے مشرق وسطیٰ کے نقطہ نظر سے دیکھ رہے ہیں، لیکن اس کے اثرات دوسرے خطوں تک بھی جائیں گے۔ پاکستان اور انڈیا کے دیرینہ کشیدہ تعلقات کے تناظر میں بھی اسے دیکھنا ہوگا۔'

واضح رہے کہ ترکی کے صدر رجب طیب اردوغان نے کہا ہے کہ پاکستان اور سعودی عرب کے ساتھ معاہدے کا مقصد کسی ملک کو نشانہ بنانا نہیں ہے۔

سعودی عرب اور پاکستان کے درمیان پہلے سے دفاعی معاہدہ موجود ہے۔ اب اس معاہدے میں ترکی بھی شامل ہو گیا ہے۔

ترکی کے صدر نے معاہدے کے بعد سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر لکھا کہ یہ کسی ملک کے خلاف اتحاد نہیں ہے۔

اُنھوں نے لکھا کہ 'یہ معاہدہ اقوام متحدہ کے چارٹر کے آرٹیکل 51 کے مطابق ہے جس میں اپنا دفاع کرنے کا حق شامل ہے۔ اس معاہدے کا مقصد کسی ملک کو نشانہ بنانا نہیں۔ اس میں وہ تمام دوست ممالک شامل ہو سکتے ہیں جو ہمارے خطے میں امن، خوشحالی اور استحکام چاہتے ہیں۔'

سوشل میڈیا پر بھی انڈین تجزیہ کار اور صارفین اس معاہدے پر اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔

مودی حکومت کے ناقد اور سویڈن کی اپسلا یونیورسٹی سے منسلک اشوک سوین نے ایکس پر لکھا کہ کیا مودی اگلے انتخابات سے قبل پاکستان پر حملہ کرنے کی جرات کریں گے؟

انڈین فوج کے لیفٹیننٹ جنرل (ر) ڈی پی پانڈے نے ایکس پر لکھا کہ مکہ دفاعی معاہدہ، انڈیا کے لیے کوئی ڈراؤنا خواب نہیں ہے۔ یہ خلیجی خطے میں موجود متعدد قوتوں کے خلاف ہے۔

اُن کا کہنا تھا کہ اس میں تین سنی ممالک متحد ہوئے ہیں۔ ہر ایک امت کی قیادت کرنے اور عالمِ اسلام کا رہنما بننے کا عزم رکھتا ہے۔

انڈیا کے سابق سیکریٹری خارجہ کنول سیبال نے ایکس پر لکھا کہ بظاہر

یہ انڈیا کے لیے منفی پیش رفت ہے، کیونکہ اس معاہدے کے متن میں کوئی ابہام نہیں ہے کہ ایک پر حملہ سب پر حملہ تصور کیا جائے گا۔

اُن کا کہنا تھا کہ انڈیا کو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے متحدہ عرب امارات، اسرائیل، یونان اور قبرص کے ساتھ مزید امکانات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہوگی اور افغانستان کو بھی ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔ جبکہ ہمیں ایران سے مشاورت کرنی چاہیے۔

انڈین صحافی اور تجزیہ کار پروین ساہنی نے ایکس پر لکھا کہ یہ تینوں ممالک مغربی ایشیا سے امریکی افواج کے انخلا کے بعد ایک سکیورٹی ڈھانچہ تشکیل دینے کی غیر رسمی کوششیں کر رہے تھے، لیکن اب اس معاہدے کو باضابطہ شکل دے دی گئی ہے۔ یہاں کلیدی اصطلاح 'اجتماعی تحفظ' استعمال کی گئی ہے۔

ایس شرما نامی صارف نے لکھا کہ اب مشرقِ وسطیٰ میں اصل کھیل شروع ہو گیا ہے۔ کیا ایران اس تین رکنی اتحاد کی مشترکہ طاقت کا مقابلہ کر سکتا ہے؟ اور انڈیا اس خطرے سے کیسے نمٹے گا؟

'نظام ڈھے گیا ہے' سے 'شہباز شریف پانچ سال پورے کریں گے' تک

محسن نقوی کے بیانات کا مطلب کیا ہے؟

لگ بھگ ایک ہفتہ قبل، گذشتہ جمعرات کو، پاکستان کے وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی نے جب اسلام آباد میں ایک معاشی سمٹ سے خطاب کرتے ہوئے یہ جملہ ادا کیا کہ 'موجودہ نظام ڈھے چکا ہے' تو ملک کے سیاسی منظرنامے میں اچانک جیسے بھونچال سا آ گیا۔

اسٹیبلشمنٹ سے قریب سمجھے جانے والے با اختیار وزیر کے منہ سے اس نظام پر تنقید سننے والے صحافیوں نے، جس نظام کا وہ خود حصہ ہیں، اس بیان کی تشریح کچھ یوں کی کہ غالباً اسلام آباد میں اقتدار کے ایوانوں میں سب اچھا نہیں رہا اور ایک وفاقی وزیر کی جانب سے خود اپنی ہی حکومت کو چارج شیٹ کرتے ہوئے نئے صوبوں کے قیام کا مطالبہ کسی مخصوص وجہ سے کیا گیا ہے۔

اس تشریح پر اگلے ہی دن اس وقت مہر ثبت ہوئی جب پاکستان کی فوج کے ترجمان ڈی جی آئی ایس پی آر لیفٹیننٹ جنرل احمد شریف چوہدری نے بلوچستان میں شدت پسندی کے موضوع پر ایک طویل پریس کانفرنس کے دوران ملک میں 'گڈ گورننس' کے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہا کہ پاکستان کو بہتر گورننس کی جانب بڑھنا ہوگا اور اس حوالے سے ضروری اصلاحات پر غور کیا جانا چاہیے۔

پاکستان کی سیاسی تاریخ کے اوراق میں کسی بھی حکومت کے زوال سے قبل فوج اور وزرائے اعظم کے تعلقات پر نظر رکھنے والوں کے لیے یہ بھی ایک اور اشارہ تھا۔ جلد ہی صحافتی حلقوں میں یہ چہ میگوئیاں ہونا شروع ہوئیں کہ حکومت اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان 'ایک پیج' قصہ پارینہ ہو چکا ہے۔ چند صحافیوں نے اس حوالے سے ڈیڈ لائن کا تذکرہ بھی کیا۔ اپوزیشن جماعتوں کی جانب سے حکومت سے خود ہی مستعفی ہونے کا مطالبہ بھی ہوا۔

ایسے میں سابق وزیر اعظم عمران خان کی جماعت تحریک انصاف کی جانب سے گذشتہ رات اپنے سربراہ کی اسیری کے تین سال مکمل ہونے پر وزیر اعلیٰ خیبر پختونخوا کی جانب سے جب یہ اعلان ہوا کہ ستمبر کے اواخر میں اسلام آباد کی جانب مارچ ہوگا تو اسے مبصرین اور تجزیہ کاروں نے موجودہ منظرنامے کا تسلسل قرار دیا۔

لیکن اسی دوران محسن نقوی کی جانب سے صرف دو صحافیوں سے بات کرتے ہوئے اچانک ایک اور بیان بھی سامنے آیا ہے جس میں انھوں نے کہا کہ موجودہ حکومت پانچ سال پورے کرے گی۔ اس دوران انھوں نے خواجہ آصف کی جانب سے کی جانے والی تنقید کا جواب بھی دیا اور وزیر اعظم شہباز شریف کے حوالے سے بھی چند باتیں کیں۔

لیکن کیا اُن کا حالیہ بیان افواہوں اور چہ میگوئیوں کو ختم کرنے کے لیے کافی ہے؟ اور کیا اس بیان کے پس پردہ مفاہمت کی کوئی کوشش چھپی ہے یا اُن کے ابتدائی بیان کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا؟ ان سوالوں کے جواب سے قبل یہ جانتے ہیں کہ محسن نقوی نے اپنے حالیہ بیان میں کیا کہا ہے۔

محسن نقوی نے کیا کہا؟

گذشتہ روز وزارتِ داخلہ کی عمارت سے نکلتے ہوئے چند صحافیوں کے ساتھ بات چیت میں حکومت کے مستقبل کے متعلق پوچھے ایک سوال کے جواب میں محسن نقوی کا کہنا تھا کہ 'یہ حکومت پانچ سال پورے کرے گی، شہباز شریف پانچ سال بطورِ وزیر اعظم اپنا ٹائم پورا کریں گے۔'

جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ آپ کی پرفارمنس پر سوال اٹھ رہے ہیں تو محسن نقوی کا کہنا تھا کہ 'میں نے پرفارمنس پر وزیر اعظم کو جواب دینا ہے اور میں نے وزیر اعظم سے صرف یہ درخواست کرنی ہے کہ تھرڈ پارٹی سے جانچ پڑتال کروائیں، تمام وزارتوں کی پرفارمنس کی ان سے جانچ کروائیں اور نتیجہ عوام کے سامنے رکھیں تاکہ سب کو پتا ہو کہ کون سی وزارت کتنا پرفارم کر رہی ہے۔' اُن کا مزید کہنا تھا کہ 'میرا خیال ہے میری حاضری 70 فیصد کے قریب ہے۔'

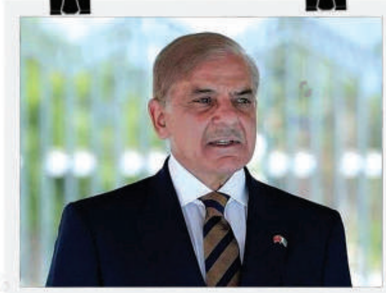

یاد رہے وفاقی وزیرِ داخلہ کے 'نظام ڈھے چکا ہے' والے بیان کے بعد انھیں حکمران جماعت مسلم لیگ ن کے سینیئر رہنماؤں کی جانب سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وزیر دفاع خواجہ آصف نے ایکس پر پیغام میں محسن نقوی کو پارلیمان اور کابینہ کا فورم استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا اور طنزاً لکھا تھا کہ 'سسٹم میں تبدیلی کا آغاز اپنی وزارت سے کریں۔'

جس کے بعد ایسی خبریں بھی آئیں کہ مسلم لیگ ن کے قائد نواز شریف نے پارٹی کی سینیئر قیادت کو ہدایت کی ہے کہ محسن نقوی کا نظام تباہ ہونے کا بیان نظر انداز کیا جائے۔

وزیر اعظم شہباز شریف کے مشیر برائے سیاسی امور اور سیاسی جماعت مسلم لیگ ن کے رہنما رانا ثنا اللہ نے نجی ٹی وی چینل جیو نیوز پر گفتگو کے دوران اس بات کی تصدیق کی کہ نواز شریف نے اپنی جماعت کی قیادت کو محسن نقوی کا بیان نظر انداز کرنے کا کہا ہے۔

گذشتہ روز محسن نقوی سے یہ بھی پوچھا گیا کہ 'نظام ڈھے چکا ہے' والے بیان کے بعد کہا جا رہا ہے کہ آپ نے حکومت کو چارج شیٹ کر دیا ہے، وزیرِ داخلہ کا کہنا تھا کہ 'میں اپنی بات پر قائم ہوں کہ نظام تباہ ہو چکا ہے لیکن میں نے 80 سالہ نظام کے تباہ ہونے کی بات کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ 80 سال سے نظام تباہ ہے کیونکہ اگر ٹھیک چل رہا ہوتا تو ہم کہاں سے کہاں پہنچ جاتے۔ میں نے حکومت کو چارج شیٹ نہیں کیا، میں تو خود حکومت کا حصہ ہوں، خود کو تو چارج شیٹ نہیں کروں گا۔'

اُن کا کہنا تھا کہ 'آپ کے پاس وزیر اعظم ہیں جو 14-16 گھنٹے کام کرتے ہیں اور اگر یہ چیزیں بہتر ہو جائیں تو ایک ہزار گنا بہتر نتیجہ سامنے آئے گا۔'

محسن نقوی نے کہا کہ 'ان حالات میں بھی آپ دیکھیں ایف بی آر نے ریونیو کتنا بڑھا لیا ہے، ہم جنگ جیت گئے اور دیکھیں سفارتی لحاظ سے کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں اور اتنی اصلاحات ہو گئی ہیں۔ میں آج بھی سمجھتا ہوں کہ اگر وزیر اعظم کو سسٹم ٹھیک مل جاتا تو وہ ملک کو 100 گنا تیزی سے آگے لے جاتے۔' محسن نقوی نے کہا کہ 'لوگوں کی بڑی خواہش ہے کہ کسی طریقے سے میرے اور وزیر اعظم کے تعلقات خراب ہو جائیں لیکن ایسا نہیں ہوگا۔'

اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے سابق وفاقی وزیر فواد چوہدری نے ایکس پر لکھا کہ 'محسن نقوی بھی بات کر کے پھنس گئے ہیں اور اب انھیں سمجھ نہیں آ رہا مؤقف ہے کیا؟ نظام ڈھے چکا ہے لیکن انھوں نے وزیر بھی رہنا ہے اور پانچ سال بھی پورے کرنے ہیں۔۔۔ شہباز شریف بڑے اچھے ہیں لیکن بس حکومت نہیں چل رہی۔'

فواد نے لکھا کہ 'آپ نے بات کی ہے تو اس پر قائم تو رہیں۔'

وفاقی وزیرِ داخلہ سے یہ بھی سوال کیا گیا کہ آپ پر یہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ 'آپ نے 30 سال کا سفر تین سال میں طے کر لیا ہے'، محسن نقوی نے اس کا جواب دینے سے گریز کرتے ہوئے محض اتنا کہا کہ 'اللہ تعالیٰ انھیں خوش رکھے۔'

'شہباز شریف کا مدت پوری کرنا ایک سیاسی معجزہ ہوگا'

صحافی اور تجزیہ کار ماجد نظامی وفاقی وزیرِ داخلہ محسن نقوی کے حالیہ بیان کو ایک روایتی سیاسی بیان قرار دیتے ہیں۔

اُن کی رائے ہے کہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں گذشتہ دو سے ڈھائی دہائیوں کے دوران اس نوعیت کے کئی بیانات سامنے آتے رہے ہیں، تاہم عملی صورتحال مختلف رہی ہے۔

بی بی سی نیوز اردو سے بات کرتے ہوئے ماجد نظامی نے کہا کہ 'عمران خان کے دورِ حکومت میں، جب تحریک انصاف اقتدار میں آ چکی تھی یا حکومت میں آنے کی کوشش کر رہی تھی، اس وقت بھی حکومتی حلقوں کی جانب سے اسی نوعیت کے دعوے کیے جاتے رہے۔ ظفر اللہ جمالی اور شوکت عزیز سمیت دیگر وزرائے اعظم کے ادوار میں بھی ایسے بیانات سُننے کو ملتے رہے ہیں۔' انھوں نے سابق صدر اور آرمی چیف جنرل پرویز مشرف کے دور میں دیے جانے والے بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس وقت بھی یہ دعوے کیے جاتے تھے کہ 'ہم انھیں دس مرتبہ وردی میں منتخب کروائیں گے۔'

ماجد نظامی کے مطابق 'پاکستان کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو گذشتہ 25 برسوں کے دوران کسی بھی اسمبلی کے اندر ایک بھی وزیر اعظم اپنی آئینی مدت مکمل نہیں کر سکا۔ وہ شوکت عزیز اور ظفر اللہ جمالی کے بعد یوسف رضا گیلانی اور راجہ پرویز اشرف، پھر نواز شریف اور شاہد خاقان عباسی کے ادوار کی مثالیں دیتے ہیں۔۔۔ اس کے بعد عمران خان اور شہباز شریف ایک ہی پارلیمانی دور میں وزارتِ عظمٰی پر فائز رہے۔'

ان کا کہنا ہے کہ 'اگر پاکستان کی سیاسی تاریخ اور اس پس منظر کے ساتھ اس بیان کو پرکھا جائے تو شہباز شریف کا اپنی مدت پوری کرنا ایک سیاسی معجزہ ہوگا۔'

حکومت اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان 'توقعات کا فرق'؟

صحافی عارفہ نور بھی ماجد نظامی سے اتفاق کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ محسن نقوی کے اس بیان سے قیاس آرائیاں ختم نہیں ہوں گی۔

بی بی سی نیوز اردو سے بات کرتے ہوئے عارفہ نور کہتی ہیں کہ 'انتخابات کے بعد سے ہی حکومت کے حوالے سے غیر یقینی کی صورتحال موجود رہی ہے، جس کی کئی وجوہات ہیں'۔

اُن کے مطابق انتخابات کے طریقہ کار، اس کے بعد بننے والی اتحادی حکومت، معاشی صورتحال اور پاکستان کی سیاسی تاریخ سب اس غیر یقینی صورتحال میں کردار ادا کرتے ہیں۔

عارفہ کے مطابق 'ہماری سیاسی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ بہت کم حکومتیں اپنی مدت مکمل کر سکی ہیں۔ اگر حکومت کی مدت کی بات کریں تو جب وزیر اعظم تبدیل ہوتا ہے تو تکنیکی طور پر ایک طرح سے حکومت بھی ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ نئے وزیر اعظم کے ساتھ نئی حکومت تشکیل پاتی ہے۔'

اُن کا کہنا ہے کہ 'محسن نقوی کے بیان سے قیاس آرائیاں ختم نہیں ہوں گی بلکہ اب خاص طور پر یہ بحث بھی شروع ہو جائے گی کہ کہیں نہ کہیں حکومت اور اسٹیبلشمنٹ کے درمیان توقعات کا فرق موجود ہے۔'

'محسن نقوی اگرچہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حکومت اپنی مدت مکمل کرے گی، لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ نظام درست طریقے سے نہیں چل رہا۔ اگر نظام نہیں چل رہا تو ہماری سیاسی تاریخ کے مطابق اس کی ذمہ داری بالآخر سیاسی حکومت پر ہی عائد ہوتی ہے۔'

'حکومت گرانے کا ماحول نظر نہیں آتا، البتہ اصلاحات کی ضرورت ہے'

صحافی اور تجزیہ کار فہد حسین کہتے ہیں کہ محسن نقوی کے 'نظام ڈھے چکا ہے' اور بعد ازاں حکومت کے اپنی آئینی مدت مکمل کرنے سے متعلق بیانات میں کوئی تضاد نہیں ہے اور دونوں بیانات کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ موجودہ گورننس سٹرکچر کام نہیں کر رہا اور اس میں تبدیلی یا بہتری کی گنجائش ہے، اس لیے ان کے پہلے بیان کو حکومت کے خاتمے کا اشارہ سمجھنا درست نہیں۔

بی بی سی نیوز اردو سے بات کرتے ہوئے فہد حسین نے کہا کہ وزیر داخلہ کے تازہ بیان نے بھی اسی مؤقف کی وضاحت کی ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی پہلی بات سے پیچھے نہیں ہٹے۔

اس سوال پر کہ آیا محسن نقوی کے حالیہ بیان کے پسِ پردہ مفاہمت کی کوئی کوشش کارفرما تھی، فہد حسین کا کہنا تھا کہ ان کے خیال میں اس دوران سیاسی رابطے ضرور ہوئے ہوں گے۔ انھوں نے کہا کہ محسن نقوی کے پہلے بیان کے بعد مسلم لیگ (ن) اور پاکستان پیپلز پارٹی کے ردعمل سے واضح تھا کہ دونوں جماعتوں کا مؤقف اس معاملے پر مختلف تھا۔

تاہم ان کے مطابق رانا ثنا اللہ کے اس بیان، جس میں انھوں نے کہا کہ نواز شریف نے محسن نقوی کے بیان کو نظر انداز کرنے کی ہدایت کی، سے یہ تاثر بھی ملا کہ حکمران جماعت اس معاملے کو مزید طول نہیں دینا چاہتی تھی۔

فہد حسین نے کہا کہ محسن نقوی کو عمومی طور پر اسٹیبلشمنٹ کی ترجیحات کا ترجمان سمجھا جاتا ہے، اس لیے نہ مسلم لیگ (ن) اور نہ ہی پیپلز پارٹی اس وقت ایسا کوئی تنازع پیدا کرنا چاہیں گی جس سے موجودہ سیاسی بندوبست یا ان کی اپنی سیاسی پوزیشن کو نقصان پہنچے۔

فہد کے مطابق موجودہ حالات میں انھیں ایسا کوئی اشارہ نظر نہیں آتا کہ حکمران اتحاد ٹوٹنے یا کسی بڑے سیاسی بحران کی طرف بڑھ رہا ہو۔

تاہم وہ اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ محسن نقوی کا تازہ بیان حکومت کے مستقبل سے متعلق جاری قیاس آرائیوں کا خاتمہ نہیں کرے گا

اور وہ اس کی وجہ وزیرِ داخلہ کے بیانات نہیں بلکہ مجموعی سیاسی صورتحال کو قرار دیتے ہیں۔ فہد حسین کا کہنا تھا کہ موجودہ حالات میں انھیں ایسا کوئی ماحول دکھائی نہیں دیتا جس سے یہ تاثر ملے کہ حکومت کو ہٹانے کی تیاری کی جا رہی ہے۔ ان کے بقول نہ کوئی متبادل سیاسی اتحاد نظر آتا ہے اور نہ ہی ایسا کوئی واضح آپشن موجود ہے جس کے ذریعے موجودہ حکومت کی جگہ نئی حکومت قائم کی جا سکے۔ البتہ ان کے مطابق حکومت کی کارکردگی پر سوالات ضرور موجود ہیں اور ممکن ہے کہ اسی وجہ سے گورننس سٹرکچر یا کابینہ میں بعض تبدیلیاں دیکھنے کو ملیں، لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ حکومت اپنی مدت پوری نہیں کرے گی یا اسے اقتدار سے ہٹا دیا جائے گا۔

مفاہمت یا مجبوری؟

مفاہمت کی کوششوں کے متعلق ماجد نظامی نے کہا کہ انھیں معاملہ محض مفاہمت کی کوشش سے زیادہ مسلم لیگ (ن) کی سیاسی مجبوری نظر آتا ہے۔

ماجد نظامی سمجھتے ہیں کہ 'مسلم لیگ (ن) اس وقت مزاحمت کی پوزیشن میں نہیں ہے اور ان میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ اس جاری مہم کے خلاف مضبوط انداز میں آواز بلند کر سکیں۔'

انھوں نے کہا کہ مسلم لیگ (ن) کو کئی سیاسی مسائل کا سامنا ہے، جن میں 2024 کے انتخابات کی صورتحال بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ اس سے قبل 'ووٹ کو عزت دو' کی مہم جس انداز میں اچانک ختم ہوئی، اس کے بعد پارٹی دوبارہ اسی بیانیے کے ساتھ عوام کے پاس نہیں جا سکی۔

ماجد نظامی کے مطابق اگر مسلم لیگ (ن) اس وقت مزاحمت کا راستہ اختیار کرتی ہے تو ایک طرف اسے حکومت سے محروم ہونے کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، جبکہ دوسری جانب پنجاب میں بھی، جو اس کا مضبوط سیاسی مرکز سمجھا جاتا ہے، اس کی حکومت خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ 'مسلم لیگ (ن) موجودہ حالات میں اپوزیشن میں جانا برداشت نہیں کر سکتی، کیونکہ پہلے ہی ایک طاقتور اپوزیشن تحریک انصاف موجود ہے۔' ماجد سمجھتے ہیں کہ مسلم لیگ (ن) کے لیے اپوزیشن میں جا کر مزاحمت کرنا اس لیے بھی مشکل ہوگا کہ عوام ان کی مزاحمت پر یقین نہیں کریں گے اور ان کا اقتدار بھی ان کے ہاتھ سے جائے گا۔ انھوں نے کہا کہ بعض لوگ موجودہ صورتحال کو نواز شریف کی مدبرانہ اور تجربہ کار سیاست سے جوڑ رہے ہیں، تاہم وہ اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے کہنا ہے 'مسلم لیگ (ن) کے پاس اس وقت مزاحمت کا آپشن ہی موجود نہیں ہے اور وہ سر جھکا کر اسٹیبلشمنٹ کی جانب سے آنے والی تمام ہدایات کو تسلیم کرے گی۔'

وہ حالیہ دنوں میں سردار یوسف کی پریس کانفرنس، حذیفہ رحمان اور دیگر وزرا کے بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سب میں یہی کہا جا رہا ہے کہ اس معاملے کو افہام و تفہیم سے حل کیا جائے گا اور وہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں محسن نقوی کے بیان کے انداز کی وجہ سے تکلیف ہوئی ہے، ورنہ ان کی باتیں درست ہیں۔

انھوں نے کہا کہ مسلم لیگ (ن) کے اندر اس حوالے سے آہستہ آہستہ سامنے آنے والی آوازیں اس بات کا اشارہ ہیں کہ آنے والے دنوں میں پارٹی اس معاملے پر اسٹیبلشمنٹ کی پالیسی کے مطابق آگے بڑھے گی، کیونکہ اس وقت وہ ایسی پوزیشن میں نہیں کہ کھل کر اختلافی رائے کا اظہار کر سکے۔

'محسن نقوی کا پہلا بیان محض ذاتی رائے نہیں بلکہ ایک واضح پیغام تھا'

اس سوال پر کہ آیا پہلے بیان کو لوگوں نے غیر ضروری طور پر بڑھا چڑھا کر پیش کیا یا وہ واقعی ایک پیغام تھا، ماجد نظامی نے کہا کہ ان کے خیال میں وہ محض ذاتی رائے نہیں بلکہ ایک واضح پیغام تھا۔ ماجد نظامی کے مطابق پاکستان میں سیاسی پیغامات اسی انداز میں دیے جاتے ہیں اور انھیں سمجھنے کے لیے بیان دینے والے کی شخصیت، اس کے سیاسی پس منظر اور اس کے اسٹیبلشمنٹ سے تعلقات کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔

انھوں نے کہا کہ 'جس فورم پر یہ بیان دیا گیا، اس سے واضح تھا کہ یہ محض ذاتی رائے نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے ایک سیاسی پیغام موجود تھا۔'

ماجد نظامی نے کہا کہ حالیہ پریس ٹاک اور صحافیوں سے گفتگو میں بھی محسن نقوی نے واضح کیا کہ وہ اپنے مؤقف پر قائم ہیں۔

وہ گذشتہ روز محسن نقوی سے کیے گئے سوال کے 'آپ نے تیس سال کا سفر تین سال میں کیسے طے کر لیا'، کے جواب کو 'معنی خیز' قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس پوری صورتحال سے آگاہ بھی ہیں اور اس پر جواب نہیں دینا چاہتے۔

ماجد نظامی کے مطابق 'یہ سمجھنا درست نہیں کہ یہ محض ایک ذاتی رائے تھی اور معاملہ ختم ہو گیا، کیونکہ اسٹیبلشمنٹ سے متعلق معاملات اور منصوبے اکثر اسی انداز میں سامنے لائے جاتے ہیں۔'

عارفہ نور سمجھتی ہیں کہ 'پاکستان میں اس وقت میڈیا کی جو صورتحال ہے، اس میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کے بیان کو خواہ مخواہ بہت زیادہ اہمیت دی گئی۔' ان کا کہنا ہے کہ اگر اس معاملے پر کئی دن سے گفتگو ہو رہی ہے اور یہ بحث ختم نہیں ہو رہی تو اس کا مطلب ہے کہ 'یہ گفتگو ہونی چاہیے اور اس گفتگو کو کوئی پسند کر رہا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت مزید کمزور نظر آئے گی۔' عارفہ کہتی ہیں کہ 'اس سے حکومت کی کمزوری کا تاثر پیدا ہوگا اور ہر وقت سوالات اٹھتے رہیں گے'۔ اور اب لوگوں کے لیے یہ کہنا بہت مشکل ہوگا کہ سب کچھ 'ایک پیج' پر ہے، کیونکہ اب تنقید سامنے آئی ہے، اور یہ تنقید انھی لوگوں کی طرف سے آئی ہے جو پہلے کہہ رہے تھے کہ حکومت بہت اچھی کارکردگی دکھا رہی ہے۔

'آپ کے پاس 12 گھنٹے ہیں'

جب موساد کے مبینہ ایجنٹوں نے ایران کے حکومتی اور فوجی حکام سے رابطے کیے

حالیہ دنوں میں ایران کے ذرائع ابلاغ کی کوریج میں اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی موساد کے اہلکاروں اور ایرانی حکام کے درمیان 'براہِ راست رابطے' کی اطلاعات پہلے سے کہیں زیادہ نمایاں رہی ہیں۔

ایران کے انٹیلی جنس، سکیورٹی اور سیاسی شعبوں کے سینیئر حکام بار بار ایران میں موساد کے اثر و رسوخ کی وسعت پر تشویش کا اظہار کر چکے ہیں۔

لیکن گذشتہ برس جون میں 12 روزہ جنگ (امریکہ اور اسرائیل کے ایران کی فوجی اور جوہری تنصیبات پر حملوں) کے بعد ایرانی حکومتی ڈھانچے میں 'سکیورٹی ہول' یعنی 'سلامتی میں خلا' کے وجود پر عوامی سطح پر بحث میں شدت آ گئی ہے۔

'سکیورٹی ہول' کی اصطلاح کسی ملک میں فیصلہ سازی کی اعلیٰ ترین سطح پر اہم معلومات کے افشا ہونے اور کمزوریوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

ایرانی حکام جن میں ایران کے وزیر خارجہ عباس عراقچی بھی شامل ہیں، اس اصطلاح کو امریکی اور خاص طور پر اسرائیلی انٹیلی جنس اور سکیورٹی اداروں کے سینیئر حکومتی عہدیداروں پر اثر و رسوخ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

12 روزہ جنگ کے بعد ایرانی سکیورٹی حکام کے خلاف موساد کی

سرگرمیوں کا ایک اور پہلو سامنے آیا۔ ملک کے متعدد سیاسی اور سکیورٹی حکام نے کہا کہ 'موساد کے اہلکاروں' نے انھیں فون کر کے دھمکیاں دیں۔

ایرانی ذرائع ابلاغ نے ان کالز کو حکام کی 'تذلیل'، 'اپنی طاقت کے مظاہرے' اور اسلامی جمہوریہ کی اتھارٹی پر سوال اٹھانے کی کوشش قرار دیا۔

تاہم کال کرنے والوں کی شناخت کی آزادانہ تصدیق نہیں ہو سکی ہے اور یہ واضح نہیں کہ موساد کے اہلکاروں کے طور پر شناخت کیے جانے والے تمام افراد واقعی اس تنظیم سے وابستہ تھے یا نہیں۔

سابق ایرانی وزیرِ تیل جواد اوجی نے حال ہی میں دعویٰ کیا کہ فروری 2024 میں، جب ایران کی گیس پائپ لائنوں میں یکے بعد دیگرے دھماکے ہوئے، تو اسی دوران انھیں ایک ایسے شخص کی فون کال موصول ہوئی جس نے خود کو اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کا اہلکار بتایا۔

جواد اوجی کے مطابق کال کرنے والا پُرسکون انداز میں ان سے بات کرتا رہا اور اسی وقت چند ہی لمحوں کے فرق سے ملک کی تین بڑی گیس پائپ لائنوں میں دھماکے ہو گئے۔

جواد اوجی کا کہنا ہے کہ اس شخص نے فون کال کے دوران ان سے ایسے سوالات کیے جیسے '3+5 کتنے ہوتے ہیں؟' اور '4+5 کتنے ہوتے ہیں؟' جوابات سننے کے بعد انھیں گیس پائپ لائنوں میں دھماکوں کے بارے میں بتایا گیا۔ اوجی کے مطابق چند

منٹ بعد متعلقہ حکام نے بھی دھماکوں کی تصدیق کر دی۔

اوجی کا کہنا ہے کہ جب تک وہ گیس نیٹ ورک کے کنٹرول سینٹر پہنچے، ملک کی تین مرکزی پائپ لائنیں پھٹ چکی تھیں۔ انھوں نے دھماکوں کے باوجود صارفین کو گیس کی فراہمی نہ رکنے کو 'حکومتی اتھارٹی' کی علامت قرار دیا۔ ایران کے وزیرِ تیل جواد اوجی نے 14 فروری 2024 کو دھماکوں کے وقت کہا تھا کہ صوبہ فارس کے تین علاقوں میں قومی گیس ترسیلی نیٹ ورک میں رات ایک بجے ہونے والے دھماکے 'دہشت گردانہ' تھے۔ تاہم

انھوں نے اسرائیل کا نام نہیں لیا تھا۔

بعض ایرانی ذرائع ابلاغ نے اوجی کے بیان کو 'عجیب' قرار دیا تھا۔

خبر رساں ویب سائٹ 'تابناک' نے ان بیانات کو شائع کرتے ہوئے لکھا کہ 'کہانی کے متن سے زیادہ تشویش ناک اس واقعے کے بیان کرنے کا انداز ہے۔ ایک ایسا بیانیہ جو فرد کے اقتدار کو ظاہر کرنے کے بجائے غیر ارادی طور پر دشمن کی طاقت کے مظاہرے کو بیان کرتا ہے۔'

رہبر اعلیٰ مجتبیٰ خامنہ ای کے فوجی مشیر محسن رضائی کے قریب سمجھی جانے والی ویب سائٹ 'تابناک' نے اوجی کے بیان پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ 'ہر یادداشت کی تشہیر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔'

ویب سائٹ نے مزید کہا کہ ایسے بیانیے 'دشمن کے اقدام اور نفسیاتی کارروائیوں کی تکرار کی نشاندہی کرتے ہیں، بہتر ہے کہ خاموش رہیں۔'

گذشتہ برس 12 روزہ جنگ کے بعد سے ایرانی سرکاری ذرائع ابلاغ نے اپنے ناظرین کے سامنے اسلامی جمہوریہ کی طاقت کا ایک بیانیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

حکومت کے قریب قدامت پسند ذرائع ابلاغ نے جواد اوجی کے

بیان کو علی لاریجانی کے ساتھ موساد سے منسوب رابطے کے بیان سے مختلف قرار دیا، جو اس وقت سپریم نیشنل سکیورٹی کونسل کے سیکریٹری تھے۔

ان ذرائع ابلاغ کے مطابق 'لاریجانی نے دوسری جانب کو کمتر دکھایا اور ایرانی فریق کی طاقت کو نمایاں کیا، لیکن اوجی کے بیان میں موساد کو برتر دکھایا گیا ہے۔'

سابق وزیرِ تیل کے بیانات اور ان پر ردعمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ موساد کے اہلکاروں سے منسوب فون کالز کی اطلاعات صرف 12 روزہ جنگ تک محدود نہیں ہیں اور کم از کم ایک ایسا واقعہ اس سے پہلے بھی پیش آیا تھا جو عوامی سطح پر سامنے نہیں آیا تھا۔

علی لاریجانی سے 'موساد کا رابطہ'

امریکی اخبار 'واشنگٹن پوسٹ' نے 23 جون 2025 کو اس معاملے سے واقف تین ذرائع کا حوالہ دیتے ہوئے رپورٹ کیا کہ ایران پر اسرائیلی حملوں کے چند گھنٹوں کے اندر ہی اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنٹوں نے ایرانی حکام کو خوفزدہ کرنے کے لیے ایک خفیہ مہم شروع کر دی۔

رپورٹ کے مطابق اُنھوں نے متعدد ایرانی کمانڈروں اور حکام کو فون کیے اور انھیں خبردار کیا کہ اگر انھوں نے حکومت کی حمایت جاری رکھی تو انھیں ہلاک کر دیا جائے گا۔

'واشنگٹن پوسٹ' نے ان فون کالز کا مقصد حکومتی ڈھانچے میں پھوٹ اور عدم استحکام پیدا کرنا، دوسرے اور تیسرے درجے کے حکام کو خوفزدہ کرنا اور ہلاک ہونے والے کمانڈروں کی جگہ نئے افراد کی تعیناتی کو مشکل بنانا قرار دیا۔

ذرائع میں سے ایک کے اندازے کے مطابق، اہم عہدوں پر فائز 20 سے زائد ایرانیوں سے رابطہ کیا گیا تھا۔

اسی رپورٹ میں واشنگٹن پوسٹ نے ایک فون کال کی آڈیو ریکارڈنگ کا کچھ حصہ بھی شائع کیا جس میں اخبار کی جانب سے اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنٹ قرار دیے جانے والے ایک شخص نے ایک سینئر ایرانی کمانڈر کو خبردار کیا کہ 'آپ کے پاس اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ فرار

ہونے کے لیے 12 گھنٹے ہیں، ورنہ آپ کو اور اہلخانہ کو نشانہ بنایا جائے گا۔'

اس کے بعد لاریجانی نے طنزیہ انداز میں کہا کہ اُنھوں نے فون کرنے والے کو 'یقیناً یا ہو کے شایانِ شان' جواب دیا تھا' تا کہ اسے کچھ تسلی ہو سکے۔'

اُنھوں نے اس بات پر زور دیا کہ جن عہدیداروں کو ایسی کالیں موصول ہوئی، ان میں سے کسی نے بھی فون کرنے والوں کے مطالبات کو نہیں مانا۔

علی لاریجانی ان کالوں کو اسلامی جمہوریہ کے عہدیداروں کو خوفزدہ کرنے کے اسرائیلی منصوبے کا حصہ سمجھتے تھے۔

تقریباً نو ماہ بعد رواں برس 16 مارچ کو علی لاریجانی ایک اسرائیلی فضائی حملے میں ہلاک ہو گئے۔

ان کالوں کے بارے میں شائع شدہ تفصیلات کا موازنہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ موساد سے منسوب افراد نے کم از کم بعض معاملات میں ایرانی عہدیداروں کو ایک جیسا پیغام دیا اور انھیں حکومت سے علیحدگی اختیار کرنے یا ملک سے فرار ہونے کے لیے 12 گھنٹے کی مہلت دی۔

'20' سے 'دو ہزار' تک: موساد سے منسوب کالوں کے بارے میں متضاد بیانات

بارہ روزہ جنگ کے بعد کے دنوں اور ہفتوں میں ایرانی براڈ کاسٹنگ کارپوریشن سمیت حکومت کے حامی میڈیا اداروں نے اسلامی جمہوریہ کے عہدیداروں کے ساتھ موساد کے مبینہ رابطوں کے بارے میں بتدریج مزید تفصیلات جاری کیں۔

واشنگٹن پوسٹ کی اس رپورٹ کے علاوہ جس میں اہم عہدوں پر فائز 20 سے زائد ایرانیوں کے ساتھ رابطوں کا ذکر تھا، بعد میں آنے والی ملکی میڈیا کی رپورٹس میں ان کالز وصول کرنے والوں کے بارے میں مزید تفصیلات فراہم کی گئیں، جن کے مطابق ان میں فوجی کمانڈرز، سیاسی عہدیدار اور سکیورٹی حکام شامل تھے۔

قدامت پسند اخبار 'آگاہ' نے یکم جولائی 2025 کو دعویٰ کیا کہ 'قابلِ اعتماد معلومات' کی بنیاد پر موساد نے جنگ کے ابتدائی دنوں میں فون کالز، خفیہ پیغامات یا ای میلز کے ذریعے اسلامی جمہوریہ کے دو ہزار سے زائد عہدیداروں، فوجی کمانڈرز، سکیورٹی ڈائریکٹرز اور بااثر شخصیات سے رابطہ کیا تھا۔

اس رپورٹ کے مطابق اس آپریشن کا مقصد محض افراد کو دھمکانا نہیں تھا۔ کال کرنے والوں نے اعلیٰ عہدیداروں کو یہ تاثر دے کر خوفزدہ کرنے کی بھی کوشش کی کہ حکومت کا خاتمہ قریب ہے اور انھیں تہران چھوڑنے یا اپنی ذمہ داریوں سے دستبردار ہونے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

واشنگٹن پوسٹ کے ایک ذریعے کے اس اندازے کہ '20 سے زائد حکام' سے رابطہ کیا گیا تھا اور 'آگاہ' اخبار کے اس دعوے کہ دو ہزار سے زائد افراد سے رابطہ ہوا، کے درمیان نمایاں فرق ہے۔

'آگاہ' نے یہ وضاحت نہیں کی کہ وہ اپنے بتائے گئے اعداد و شمار تک کیسے پہنچا۔

چند ہفتوں بعد 18 جولائی 2025 کو حکومت کے قریبی سیاسی تجزیہ کار مصطفیٰ خوش چشم نے ایرانی ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر دعویٰ کیا کہ جنگ کے دوران موساد نے پاسدارانِ انقلاب کے تقریباً 100 کمانڈرز سے رابطہ کیا تھا اور انھیں دھمکانے یا اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تھی۔

خوش چشم نے کہا کہ ان کالز کا مقصد افراد کو 'خریدنا' یا 'مرعوب کرنا' تھا۔

ان کے مطابق، اسلامی جمہوریہ کے کئی 'بڑے سیاستدانوں' کو بھی ایسی ہی کالز کی گئی تھیں، جن میں علی لاریجانی بھی شامل تھے۔

لیکن ان میں سے کسی نے بھی کال کرنے والوں کی بات نہیں مانی۔ اسی بنیاد پر انھوں نے دعویٰ کیا کہ 'موساد کا منصوبہ ناکام ہو گیا تھا۔'

موساد: ایک انٹیلی جنس ادارے سے میڈیا بیانیے تک

اگر ہم محسن فخری زادہ سمیت جوہری سائنسدانوں کے قتل اور موساد سے منسوب فوجی و صنعتی تخریبی کارروائیوں کو بھی ایک طرف رکھ دیں، تب بھی ایران میں اسرائیل کی موجودگی اور انٹیلی جنس سرگرمیوں سے متعلق اطلاعات کا دائرہ کار محض '12 روزہ جنگ' یا حالیہ برسوں کی فون کالز تک محدود نہیں ہے۔

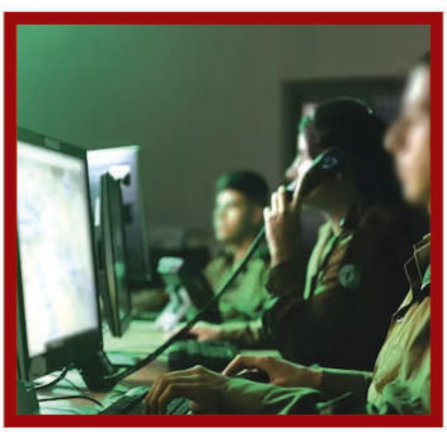

کئی دہائیوں سے ایرانی سیاسی اور سکیورٹی لٹریچر میں موساد کا ذکر مختلف صورتوں میں ملتا رہا ہے، جن میں سکیورٹی رپورٹس، یادداشتیں، کتابیں اور کبھی کبھار فلمی و ڈرامائی تخلیقات شامل ہیں۔

سنیما اور ٹیلی ویژن کی دنیا میں بھی برسوں سے ایران سے متعلق متعدد افسانوی تخلیقات میں موساد کا نام اور کردار دکھائی دیتا رہا ہے۔

ایران میں بننے والی فلموں اور سیریز کے علاوہ، اس کی ایک مشہور مثال اسرائیلی سیریز 'تہران' ہے، جو پہلی بار 2020 میں نشر کی گئی تھی۔

اس سیریز کی کہانی اس مفروضے پر مبنی ہے کہ موساد کے ایجنٹ ایران کے اندر کارروائیاں اور نیٹ ورکنگ کر سکتے ہیں، آپریشنز کو انجام دے سکتے ہیں اور حساس سکیورٹی و فوجی تنصیبات کے قریب پہنچ سکتے ہیں۔

یہ سیریز ایران میں اثر و رسوخ کے لیے موساد کی صلاحیت کی ایک افسانوی عکاسی پیش کرتی ہے۔ تاہم اس طرح کے کسی کام کی تخلیق کو لازمی طور پر اسرائیلی حکومت کی پالیسی کا عکاس یا ایرانی عوام پر اثر انداز ہونے کی کوشش قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اسی کے ساتھ ساتھ، حالیہ برسوں میں ایران میں مبینہ اسرائیلی کارروائیوں کے بارے میں معلومات کے لیک ہونے یا منتخب طور پر جاری کیے جانے کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔

ایسی معلومات جو پہلے عوامی سطح پر کم دستیاب تھیں۔

اس صورتحال نے بعض تجزیہ کاروں میں یہ شبہ پیدا کیا ہے کہ ان معلومات کا اجرا شاید ایک ایسی نفسیاتی مہم کا حصہ ہو جس کا مقصد اسرائیل کی انٹیلی جنس صلاحیتوں کو اجاگر کرنا، ایرانی حکام کو مرعوب کرنا اور اسلامی جمہوریہ کے سکیورٹی ڈھانچے پر اعتماد کو کمزور کرنا ہے۔

انٹیلی جنس ایجنسیاں عام طور پر اپنی بیرونِ ملک کارروائیوں کی تفصیلات خفیہ رکھتی ہیں، لیکن بعض اوقات ایسی کارروائیوں کے بارے میں منتخب معلومات اور بیانیے جاری کیے جاتے ہیں۔ فوجی اور سیاسی حکام کے ساتھ موساد منسوب فون کالز اور ایرانی میڈیا میں ان کی کوریج کا جائزہ لینے سے موساد کی ایک ایسی تصویر سامنے آتی ہے جس کے تحت یہ خفیہ ادارہ ایران کے اعلیٰ حکام سے براہِ راست رابطہ کرنے اور انھیں دھمکانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

دوسری جانب ایرانی سکیورٹی ادارے بار بار یہ دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ انھیں اسرائیلی انٹیلی جنس اور سکیورٹی اداروں کے بارے میں اہم معلومات اور اثر و رسوخ حاصل ہے اور وہ اسرائیل کے مقابلے میں کمزور نہیں ہیں۔ تاہم، فون کالز اسرائیلی انٹیلی جنس کی دراندازی کی کہانی کا محض ایک حصہ ہیں۔ 12 روزہ اور 40 روزہ جنگوں کے دوران، اسرائیل نے ٹارگٹڈ حملوں میں اسلامی جمہوریہ کے کئی انتہائی سینئر فوجی کمانڈروں اور سیاسی و سکیورٹی حکام کو ہلاک کیا۔

ان میں سے بعض حملوں کے اوقات اور درستگی، نیز کال کرنے والوں کی جانب سے حکام کے فون نمبروں اور ذاتی معلومات تک رسائی نے اسرائیل کی انٹیلی جنس رسائی کے دائرہ کار کے بارے میں وسیع تر سوالات کھڑے کر دیے ہیں۔

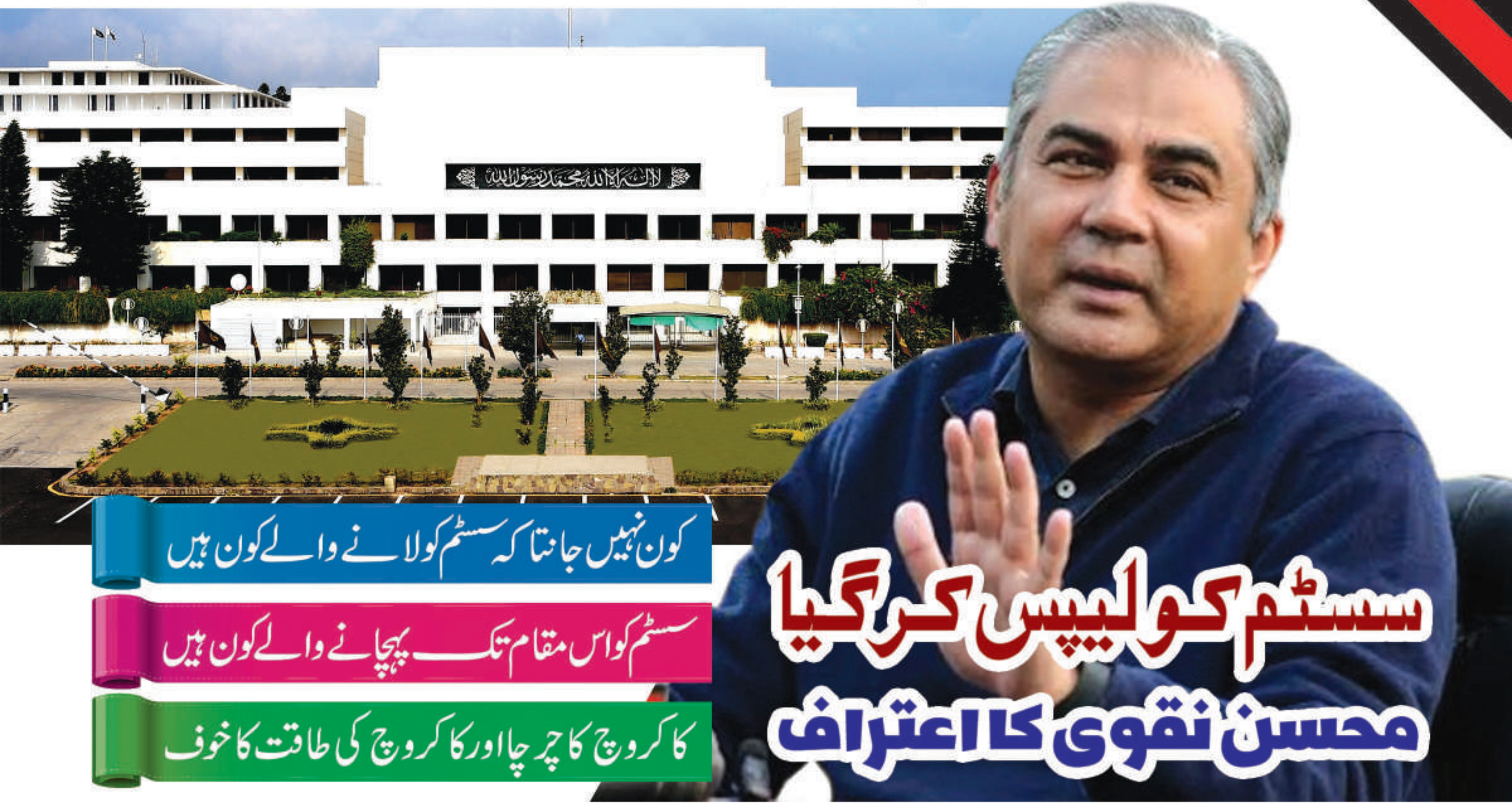

سسٹم کولیپس کر گیا
محسن نقوی کا اعتراف

کون نہیں جانتا کہ سسٹم کو لانے والے کون ہیں

سسٹم کو اس مقام تک پہچانے والے کون ہیں

کاکروچ کا چرچا اور کاکروچ کی طاقت کا خوف

تحریر غازی صلاح الدین

بلاشبہ محسن نقوی ایک طاقتور شخصیت کے مالک ہیں ایک چھوٹے سے نیوز چینل سے پورے ملک کے سسٹم کو چلانے میں ان کا کردار کلیدی رہا ھے۔

یھاں تک کہ خطروں کے کھلاڑی بھی ان کو اپنا منہ بولا بیٹا تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان کو رحمان ملک کا متبادل مل گیا جس کے ذریعہ وہ اس پورے نظام کو اپنی ترتیب سے چلا رھے تھے۔

اور ایوان صدر کو کبھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ھوا۔

محسن نقوی کے اس اعترافی بیان سے قبل ان کی ایوان صدر کے مکین سے کوئی دو گھنٹے تک کراچی مین ملاقات بھی ھوئی لیکن کہتے ہیں کہ اس ملاقات میں زیادہ وقت انہوں نے اپنے منہ بولے بیٹے کو غور سے سنا اور جذبات کو کنٹرول کرتے ھوئے کسی بات پر کوئی اسٹینڈ نہیں لیا۔

ایک بات جو میرے دماغ سے چپک گئی ھے کہ اس ملاقات میں جو بہت حساس نوعیت کی تھی اور اس ملاقات کیلئے منہ بولے بیٹے کو اسلام آباد سے کراچی بلاول ہاؤس آنا پڑا اس ملاقات میں پارٹی کے سینئر رھنما کے بجائے علی حسن زرداری کو کیوں بٹھایا گیا؟

اب آتے ھیں اصل مسئلہ کی جانب

محسن نقوی جو چار سال سے بھی زائد عرصہ کے دوران اس پورے مصنوعی سسٹم کا ھر صورت دفاع کرتا رہا جو بلوچستان جیسے حساس مسئلہ کو ایک ایس ایچ او کی مار سے تعبیر کرتے ھوئے جس انداز اور باڈی لینگویج کے ذریعہ پوری بلوچ قوم کی تذلیل کر رھا تھا اس کو اس وقت اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ یہ سارے معاملات توان کی منسٹری مین اتے ہین؟

ان بلوچ سرداروں سے جنرل ایوب خان بات نہیں کر سکا بلکہ وعدہ خلافی کی ابتدا ابھی ایوب خان کے دور سے ھوئی

پھر ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل پرویز مشرف کے دور میں اکبر بگتی کے واقعہ نے بلوچوں اور ریاست کے درمیان ریڈ لائین لگا دی جس کو ابھی تک کوئی عبور نہیں کر سکا ھے۔

حیرت اس بات پر ھے کہ چار سال تک مصنوعی فارم 47 کی حکومت کے دفاع کے ساتھ مدہ خارج اسٹیٹس کو کا دفاع کرنے والے جب ھر جگہ سے ناکام ھو گئے تو پبلک لی اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ھو گئے

اس بات مین کوئی دو رائے نہیں کہ سسٹم کو لانے والے بھی یہی ہیں سے دو چار ھونا پڑا وہ اسلیے بھی کہ ملک میں 73 کا متفقہ آئین ابھی تک موجود ھے اور کوئی بڑے سے بڑا آمر بھی اس آئین کو ختم نہیں کر سکا۔

جنرل ضیاالحق نے بھٹو کو پھانسی پر چڑھا دیا لیکن 73 کے رمتفقہ آئین کو وہ بھانسی دینے مین ناکام رھے حالانکہ ان کا دعوٰی تھا کہ

آئین چند صفحات کی کتاب ھے

مین اس کو پھاڑ کر پھینک دوں گا

اور سسٹم کو کولیپس کرنے والے بھی 24 کروز عوام نہیں بلکہ مصنوعی نمایندہ ہیں جن کو عوام کیئ بار رد کر چکے ہین۔

نئے صوبے یا نئے یونٹ کی بات بھی اس وقت ایک نئے انتشار کو جنم دے گی۔

ھم چار صوبہ سنبھال نہیں پا رھے 25 صوبے سنبھالنے کی تیاری کر رھے ہیں جس پر اس سے قبل کئی سابقہ حکمران ایکسر سائز کر چکے ہیں اور ھر بار انہیں ناکامی

تمام سیاست داں پونچھ لٹکاتے میرے پیچھے آئین گے

لیکن کیا ھوا ؟

تاریخ نے اپنے فیصلے صادر کئے

خدارا ابھی بھی وقت گیا نہیں

ملک کی قسمت کے فیصلے جن کے ھاتھوں میں ہیں وہ آگے آئیں سب کو ایک ٹیبل پر بٹھائیں اور اس وقت تک نہ اٹھیں جب تک متفقہ فیصلے پر پہنچ جائیں۔

جب بینظیر بھٹو کو
اپنی حکومت جانے کی 'بریکنگ نیوز' افواہ لگی

یہ جولائی 1990 کا تیسرا ہفتہ تھا۔

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کی شاہراہِ دستور پر وزیرِ اعظم بینظیر بھٹو اپنی لیموزین میں راولپنڈی کی جانب رواں تھیں جب اُن کے ساتھ پچھلی نشست پر بیٹھے وزیرِ اطلاعات جاوید جبار نے انھیں اطلاع دی کہ فوج کے ایک حاضر سروس افسر کے مطابق صدر غلام اسحاق خان جلد ہی اُن کی حکومت برطرف کرنے والے ہیں۔ انتخابات میں اپنی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کی کامیابی کے بعد دسمبر 1988 میں وزیرِ اعظم بننے والی بے نظیر بھٹو کے اقتدار کی پانچ سالہ مقررہ مدت کے 19،20 ماہ ہی گزرے تھے۔

اپنی سیاسی یادداشت 'بٹ، پرائم منسٹر۔۔۔' میں جاوید جبار نے لکھا ہے کہ برطرفی کی ایسی افواہیں پہلے بھی گردش کرتی رہی تھیں۔

'مگر اس بار اطلاع ایک حاضر سروس فوجی افسر کی طرف سے تھی، جس نے اپنے دیرینہ دوست اور میرے ایک قریبی عزیز نجیب ظفر سے خاص طور پر کہا تھا کہ اِسے (اطلاع) مجھ تک پہنچایا جائے۔ اسی لیے میں نے وزیرِ اعظم سے یہ ہنگامی ملاقات کی تھی۔'

'میرے ذہن میں آیا کہ یا تو یہ پیپلز پارٹی کی حکومت کو قبل از وقت استعفے پر مجبور کرنے کی سازش ہے، یا بے نظیر بھٹو کو صدر اور آرمی چیف کے سامنے پسپائی پر آمادہ کرنے کی کوشش۔ تاہم اطلاع دینے والا افسر اسے (اطلاع کو) انتہائی سنجیدگی سے لیے جانے کا خواہاں تھا، اس لیے اسے نظرانداز بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔'

جاوید جبار لکھتے ہیں کہ انھوں نے یہ تمام پہلو وزیرِ اعظم کے سامنے بھی رکھے۔ 'بے نظیر بھٹو نے میری بات خاموشی سے سُنی، پھر ہلکی سی مسکراہٹ اور اعتماد بھرے انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا: یہ افواہیں ہمیں مایوس کرنے کے لیے پھیلائی جا رہی ہیں۔ ایسا نہیں ہوگا، جاوید۔'

'انھوں نے کہا کہ صدر غلام اسحاق خان اور آرمی چیف کے ساتھ اپنی حالیہ ملاقاتوں، نیز دیگر ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کی روشنی میں انھیں یہ اطلاع قابلِ اعتبار نہیں لگتی۔'

زبانی اطلاع پر تو بے نظیر بھٹو نے بظاہر اعتبار نہ کیا، مگر یہ ابتدائی اطلاع ملنے کے لگ بھگ دو ہفتے بعد انھوں نے تب بھی اِس پر یقین نہ کیا جب چھ اگست 1990 کی صبح انگریزی روزنامے 'دی نیشن' کے صفحۂ اول کی سُرخی انھیں خبردار کر رہی تھی کہ اُن کی حکومت برطرف ہونے والی ہے۔

کرسٹینا لیمب اپنی کتاب 'ویٹنگ فار اللہ: پاکستان سٹرگل فار ڈیموکریسی' میں لکھتی ہیں کہ یہ بے نظیر کی سیاسی تنہائی کی ایک جھلک تھی کہ وزیرِ اعظم سیکریٹریٹ کا فوجی محاصرہ ہونے تک بھی وہ یقین کرنے کو تیار نہ تھیں کہ انھیں اقتدار سے ہٹایا جا سکتا ہے۔

'دی نیشن' کے مدیر عارف نظامی، جنھوں نے یہ خصوصی خبر شائع کی تھی، نے اُسی سال ستمبر میں لاہور میں کرسٹینا لیمب کو بتایا تھا کہ اُس صبح (جس روز دی نیشن میں خبر شائع ہوئی) انھیں وزیرِ اعظم ہاؤس سے فون آیا۔

'پارلیمانی امور کے وزیر طارق رحیم لائن پر تھے۔ انھوں نے خبر کے ذرائع پوچھے اور الزام لگایا کہ اخبار ملٹری انٹیلیجنس کی فراہم کردہ معلومات شائع کر رہا ہے۔'

اُدھر بے نظیر بھٹو نے اپنے قریبی معاون پیٹی منو الا کو امریکی سفیر اور صدر غلام اسحاق خان سے ملنے بھیجا۔

'صدر نے انھیں یقین دلایا کہ وہ کوئی 'غیر معمولی' قدم اٹھانے والے نہیں ہیں۔ اس یقین دہانی کے بعد بے نظیر نے خبر کو بے بنیاد سمجھا اور اپنی معمول کی سرگرمیوں میں مصروف رہیں۔'

'وہ شہزادی ڈیانا کے مجوزہ دورۂ پاکستان اور عالمی چلڈرن سمٹ میں اپنی تقریر کی تیاری کرتی رہیں، جبکہ صبح کا بڑا حصہ کابینہ کی اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس کی صدارت میں گزرا۔'

البتہ طارق رحیم مطمئن نہ تھے۔ 'انھوں نے پانچ اگست کے روز صدر کے دفتر کو پارلیمنٹ کا اجلاس آٹھ اگست کو بلانے کی سمری بھیجی تھی، مگر وہ بار بار وعدوں کے باوجود واپس نہ آئی۔ پہلے کہا گیا کہ ساڑھے نو بجے مل جائے گی، پھر گیارہ بجے، لیکن دوپہر دو بجے واضح جواب ملا کہ فائل واپس نہیں کی جائے گی۔'

طارق رحیم نے برہمی سے کہا کہ 'آپ جو بھی کر رہے ہیں، تاریخ آپ کو معاف نہیں کرے گی۔' 'شام چار بجے تک فوجی گاڑیاں سیکریٹریٹ کے اطراف دکھائی دینے لگیں۔'

ملتان کے ایک صحافی رضی الدین رضی نے بی بی سی کو بتایا کہ چھ اگست 1990 کو صدر غلام اسحاق خان نے بے نظیر بھٹو کی پہلی حکومت کے خاتمے کے احکامات شام پانچ بجے جاری کیے۔

'لیکن ملتان کے اخبارات کو اسمبلی توڑے جانے اور بے نظیر حکومت کے خاتمے کے بارے میں نوابزادہ نصر اللہ خان کا بیان سہ پہر کو ہی موصول ہو گیا تھا۔' 'نوابزادہ نصر اللہ خان اُس روز ملتان میں تھے اور انھیں یہ خبر اُس وقت کے قومی اسمبلی کے سپیکر قومی اسمبلی معراج خالد نے دی تھی جنھیں صبح ہی سے معلوم تھا کہ آج حکومت ختم کی جا رہی ہے اور اسمبلیاں توڑی جا رہی ہیں۔' کرسٹینا لیمب کے مطابق اگر بے نظیر بھٹو کو اصل صورتحال کا جلد اندازہ ہو جاتا تو وہ خود اسمبلیاں تحلیل کر کے نئے انتخابات کا اعلان کر سکتی تھیں، جس سے انھیں برسرِ اقتدار ہونے کا فائدہ ملتا اور انتخابی عمل پر زیادہ کنٹرول رہتا۔ 'حکومت کے بعض وزرا انھیں طنزاً 'ایلس اِن بلنڈر لینڈ' کہتے تھے۔ جیسے جیسے حکومت مشکلات میں گھرتی گئی، بے نظیر نے اپنے گرد ایسے وفادار افراد کا حلقہ بنا لیا جو اختلافِ رائے سے گریز کرتے تھے۔ وہ آخر وقت تک (کرسٹینا لیمب کے ساتھ انٹرویو میں) یہ کہتی رہیں کہ 'عوام کی واحد رہنما میں ہی ہوں۔'

فوج پر الزام اور تردید

برطرفی کے ایک روز بعد، نیویارک ٹائمز کی نامہ نگار باربرا کراسیٹ سے گفتگو کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو نے اپنی حکومت کی برطرفی کو 'نیم فوجی مداخلت' قرار دیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ اس کارروائی کی منصوبہ بندی طویل عرصے سے کی جا رہی تھی۔ وزیرِ اعظم ہاؤس میں دیے گئے اس انٹرویو میں، کراچی روانہ ہونے سے قبل بے نظیر بھٹو نے کہا کہ اُن کے، اُن کے خاندان، ساتھیوں اور پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف پورا مقدمہ فوج نے تیار کیا، حتیٰ کہ حکومت کی برطرفی اور قومی اسمبلی کی تحلیل کا حکم بھی، جو صدر غلام اسحاق خان نے پڑھ کر سنایا، فوج ہی نے مرتب کیا تھا۔

لیکن تب آرمی چیف جنرل اسلم بیگ کے مطابق ایسا نہیں تھا۔ اپنی یادداشتوں میں، جنھیں ریٹائرڈ کرنل اشفاق حسین نے 'کمپلشنز آف پاور' کے عنوان تلے ترتیب دیا ہے، جنرل بیگ نے بتایا کہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ کام کرنے کا تجربہ خوشگوار تھا اور اُن کے درمیان باہمی احترام کا رشتہ قائم تھا۔ 'اُن کے حلف اٹھانے سے پہلے میں نے انھیں اپنی رہائش گاہ پر مدعو کیا اور اُن سے تین گزارشات کیں: اگر فوج کے بارے میں کوئی شکایت ہو تو مجھے بتائیں میں اس کا ازالہ کروں گا، جنرل ضیاالحق کے خاندان سے نرمی برتیں اور جب صدر کے انتخاب کا وقت آئے تو غلام اسحاق خان کو مدِنظر رکھیں۔'

'بے نظیر بھٹو نے اِن مشوروں سے اتفاق کیا اور انھیں سنجیدگی سے لیا۔'

اپنی یادداشتوں میں جنرل اسلم بیگ بتاتے ہیں کہ شاید بے نظیر بھٹو انھیں چیف آف آرمی سٹاف کے منصب سے ہٹا کر چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی بنانے پر غور کر رہی تھیں، جبکہ ایک کور کمانڈر آرمی چیف بننے کے خواہشمند تھے۔ وزیرِ اعظم کے چند قریبی افراد بھی اس کوشش میں شریک تھے۔ 'اس اطلاع پر میں نے فارمیشن کمانڈرز کانفرنس بلا کر واضح کیا کہ اگر کوئی افسر ایسی سرگرمیوں میں ملوث پایا گیا تو اس کے خلاف سخت تادیبی کارروائی ہوگی۔ جس کور کمانڈر کا نام زیرِ غور تھا، وہ بھی اجلاس میں موجود تھا اور غالباً اس نے یہ بات وزیرِ اعظم تک پہنچا دی۔'

'بعد میں بے نظیر بھٹو نے مجھے لکھے گئے ایک خط میں تسلیم کیا کہ وہ واقعی مجھے چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور کسی دوسرے افسر کو آرمی چیف مقرر کرنا چاہتی تھیں، لیکن اپنے ساتھیوں سے مشاورت کے بعد انھوں نے یہ ارادہ ترک کر دیا، یہ اُن کی فراخ دلی تھی۔'

'صدر اور وزیرِ اعظم کے اختلافات'

البتہ جنرل بیگ کی اسی کتاب میں 'صدر اور وزیرِ اعظم کے اختلافات' کے ذیلی عنوان کے تحت یہ لکھا ملتا ہے کہ '1990 کے آغاز میں صدر غلام اسحاق خان نے ایک غیر رسمی نوٹ کے ذریعے مجھے آگاہ کیا کہ اُن کے اور وزیرِ اعظم بے نظیر بھٹو کے درمیان بعض ریاستی معاملات پر اختلافات پیدا

ہو گئے ہیں۔' میں نے یہ معاملہ کور کمانڈرز کانفرنس میں رکھا۔ تمام کمانڈرز کی متفقہ رائے تھی کہ صدر کو تحمل سے کام لینا چاہیے، وزیرِ اعظم کو اپنی غلطیاں درست کرنے کا موقع دینا چاہیے اور ضرورت پڑنے پر اُن کی رہنمائی کرنی چاہیے۔'

'لیکن دونوں کے درمیان مؤثر رابطہ نہ ہو سکا، اختلافات بڑھتے گئے اور بالآخر صدر نے آئین کی دفعہ 58(2)(ب) کے تحت چھ اگست 1990 کو حکومت برطرف کردی اور 90 روز میں انتخابات کا اعلان کردیا۔'

تاہم جنرل بیگ کے مطابق بے نظیر بھٹو یہ سمجھتی تھیں کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی اور بعد ازاں اُن کی حکومت کی برطرفی میں شریک رہے، حالانکہ اُن کے بقول وہ بھٹو کی پھانسی کے مخالف تھے اور اسی وجہ سے انھیں کمان سے ہٹا دیا گیا تھا۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بے نظیر بھٹو کا یہ تاثر بھی غلط تھا کہ صدر غلام اسحاق خان نے اُن کی حکومت اُن کے دباؤ پر برطرف کی۔ سابق سفارتکار اور

سابق مشیرِ قومی سلامتی اقبال اخوند کی رائے جنرل بیگ سے مختلف ہے۔

اپنی کتاب 'ٹرائل اینڈ ایرر: دی ایڈونٹ اینڈ ایکلپس آف بے نظیر بھٹو' میں اخوند لکھتے ہیں کہ 'معلوم ہوتا ہے کہ جنرل اسلم بیگ نے حکومت کی برطرفی سے تقریباً چھ ماہ پہلے ہی بے نظیر کو اقتدار سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اُن کا خیال تھا کہ اس طرح سندھ کے حالات چند ہفتوں میں درست کیے جا سکیں گے۔' مصنف کے مطابق اس پوری کارروائی کے اصل معمار صدر غلام اسحاق خان تھے، جنھیں بے نظیر بھٹو نے اپنی حکومت کی برطرفی کے خلاف سپریم کورٹ میں پیش ہوتے ہوئے 'بدنیتی، تعصب اور سو نیت (بدنیتی)' کا حامل قرار دیا۔ اُن کا مؤقف تھا کہ صدر نے ابتدا ہی سے ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور انھیں حکومت بنانے کی دعوت بھی اس وقت دی جب اُن کی اکثریت ختم کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں۔

بے نظیر نے عدالت میں بتایا کہ صدر نے اُن سے کہا تھا کہ سوویت افواج کے افغانستان سے انخلا تک یعقوب خان کو مزید تین ماہ وزیرِ خارجہ رہنے دیا جائے۔ بعد میں انھیں احساس ہوا کہ 'وہ تین ماہ یعقوب خان کے لیے نہیں بلکہ میرے لیے تھے، مجھے تین ماہ بعد ہی گھر بھیجنے کی منصوبہ بندی ہو چکی تھی۔' چند برس بعد، جب بے نظیر دوبارہ اقتدار میں آئیں، تو انھوں نے مصنف کو بتایا کہ اُن کی معلومات کے مطابق امریکی نائب قومی سلامتی مشیر رابرٹ گیٹس نے جولائی 1990 کے دورۂ پاکستان کے دوران صدر غلام اسحاق خان کو اُن کی برطرفی کی منظوری دے دی تھی۔

تاہم مصنف لکھتے ہیں کہ وہ خود صدر اور رابرٹ گیٹس کی ملاقات میں موجود تھے اور وہاں بے نظیر حکومت کے مستقبل پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔

اُن کے مطابق اسحاق خان کو اس اقدام کے لیے امریکی منظوری کی ضرورت نہیں تھی، اور اگر امریکہ واقعی حکومت کی تبدیلی چاہتا تو عبوری حکومت کے آتے ہی پاکستان کی امداد معطل نہ کرتا۔

دوسری جانب صدر غلام اسحاق خان نے کہا کہ اُن کا اقدام کسی فرد یا جماعت کے خلاف نہیں بلکہ جمہوریت کے مستقبل کے تحفظ کے لیے تھا۔

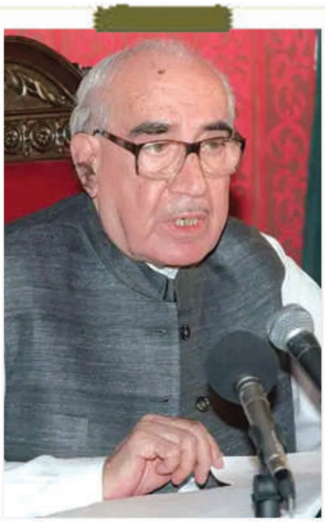

اُن کے بقول یہ فیصلہ انھوں نے 'پُرسکون، غیر جذباتی اور محتاط غور و فکر' اور 'طویل اور کربناک انتظار' کے بعد کیا۔ صدر غلام اسحاق خان کے مداح سمجھے جانے والے سابق بیوروکریٹ روئیداد خان نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ بے نظیر بھٹو کو اپنی حکومت پر آنے والے بحران کا بالکل اندازہ نہیں تھا اور وہ معمول کے مطابق سرکاری امور انجام دیتی رہیں۔

'جب افواہیں پھیلیں تو انھوں نے اپنے قریبی ساتھی پیپی منوالا کو صدر سے حقیقت معلوم کرنے بھیجا۔ منوالا واپس آ کر یہ پیغام لائے کہ صدر کا آئین کے خلاف کوئی اقدام کرنے کا ارادہ نہیں۔' لیکن روئیداد خان یہ بھی لکھتے ہیں کہ جنرل اسلم بیگ کو پہلے ہی اعتماد میں لے لیا گیا تھا، اُن کی رضامندی حاصل کر لی گئی تھی اور آرمی چیف کے نمائندے کے طور پر ڈائریکٹر ملٹری انٹیلیجنس میجر جنرل اسد درانی کے ساتھ متعدد اجلاسوں میں تمام انتظامی اور عملی تفصیلات طے کی جا چکی تھیں۔

اگرچہ روئیداد خان لکھتے ہیں کہ اس کارروائی کو چھپانے یا دھوکہ دینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی، لیکن وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ آخری دنوں میں انھیں مسلسل یہ خدشہ لاحق تھا کہ کہیں وزیرِ اعظم کوئی پیشگی قدم نہ اٹھا لیں۔ جیسے جیسے مقررہ دن قریب آتا گیا اور بے نظیر کی طرف سے کوئی ردِعمل سامنے نہ آیا، اُن کی بے چینی بڑھتی گئی۔ انھیں اندیشہ تھا کہ اگر وزیرِ اعظم اچانک قوم سے خطاب کر کے اسمبلی توڑنے اور حکومت برطرف کرنے کی منصوبہ بندی کو بے نقاب کر دیں تو پوری کارروائی کا اچانک پن ختم ہو جائے گا۔

حکومت کی برطرفی کے بعد صدر کے لیے عبوری وزیرِ اعظم کا تقرر ضروری تھا۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کئی برسوں سے ممکنہ وزیرِ اعظم کے طور پر زیرِ بحث تھے، یہاں تک کہ اخبارات انھیں 'منتظر وزیرِ اعظم' کہنے لگے تھے اور بالآخر اُن کی مختصر باری آ گئی۔ لیکن اخوند کے مطابق غلام اسحاق خان نے حکومت کے قواعدِ کار میں تبدیلی کر دی تا کہ تمام سرکاری فائلیں براہِ راست صدر کے پاس بھیجی جائیں۔

عدالتی فیصلہ

صدر غلام اسحاق خان نے چھ اگست 1990 کو قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیاں تحلیل اور بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف کرنے کا جواز ملک میں امن و امان برقرار رکھنے میں حکومتی ناکامی، اقربا پروری اور بدعنوانی کو قرار دیا تھا۔ اخوند کے مطابق بے نظیر بھٹو نے اپنے خلاف لگائے گئے بیشتر الزامات کی تردید کی اور بعض کی وضاحت پیش کی۔ مثال کے طور پر انھوں نے تسلیم کیا کہ بعض صنعتی اجازت نامے اپنے رشتہ داروں اور قریبی افراد کو دیے، لیکن اُن کے بقول یہ ضیا الحق کے دور میں اُن پر ڈھائے گئے مظالم کے ازالے کے لیے

تھا۔' آخرکار سپریم کورٹ نے اپنے سابقہ نظائر کے بجائے اپنے رائج طرزِ عمل کی پیروی کرتے ہوئے بے نظیر بھٹو کی درخواست مسترد کر دی۔'

عدالت نے قرار دیا کہ غلام اسحاق خان نے پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت برطرف کرتے ہوئے آئینی اختیارات کے مطابق درست اقدام کیا تھا۔

جاوید جبار لکھتے ہیں کہ اگست 1990 کے آخری ہفتے میں، حکومت کی برطرفی کے تقریباً تین ہفتے بعد، بے نظیر بھٹو نے بلاول ہاؤس کراچی میں پیپلز پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس طلب کیا، جس میں وہ بھی شریک تھے کیونکہ وہ ان کی کابینہ میں بیس ماہ تک وزیر رہ چکے تھے۔

اُن کے مطابق بے نظیر بھٹو نے اپنی ابتدائی گفتگو میں حکومت کی برطرفی کو صدرِ مملکت اور فوج کے بعض عہدیداروں کی سازش قرار دیا۔ جبار کے بقول اس مؤقف میں وزن ضرور تھا کیونکہ حکومت چھ اگست 1990 تک قومی اسمبلی میں اپنی اکثریت برقرار رکھے ہوئے تھی اور اپنے 20 ماہ کے دور میں متعدد اہم اقدامات بھی کر چکی تھی۔ جاوید جبار لکھتے ہیں کہ تقریباً 20 مقررین کے بعد انھیں اظہارِ خیال کا موقع ملا۔ انھوں نے کہا کہ 'وزیرِ اعظم صاحبہ، ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہو گا کہ ہماری حکومت میں بعض افراد کی بدعنوانی ہماری برطرفی کی ایک بڑی وجہ بنی۔ اگرچہ الزامات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا، لیکن کرپشن نے ہماری

کارکردگی اور عوامی تاثر دونوں کو نقصان پہنچایا۔' جاوید جبار لکھتے ہیں کہ انھیں توقع نہیں تھی کہ ان کی بات پر بے نظیر بھٹو کا ردِعمل اتنا شدید ہو گا۔ انھوں نے نہایت برہمی اور سخت لہجے میں، پیشانی پر بل ڈالے اور نظریں مجھ پر جمائے ہوئے کہا 'کرپشن؟ کرپشن؟ ہرگز نہیں، جاوید، کوئی کرپشن نہیں تھی۔'

'یہ الزام سراسر من گھڑت ہے، محض ہمارے خلاف پروپیگنڈا ہے تا کہ ہمیں بدنام کیا جا سکے۔ کرپشن بھلا کہاں؟ مجھے ایک مثال دو، کوئی ثبوت دکھاؤ۔ ہمارے دشمنوں کی باتیں دہرانے کے بجائے حقیقت بیان کرو۔ کوئی کرپشن نہیں تھی۔' 'ہماری حکومت صرف ایک سازش کے نتیجے میں برطرف کی گئی۔'

امریکہ کے ساتھ محدود جنگ ایران کے لیے امن کے مقابلے میں زیادہ فائدہ مند کیوں ہو سکتی ہے؟

اس ہفتے کے آغاز میں اردن میں ایک امریکی اڈے پر ایران کے اچانک میزائل حملے کی وضاحت مشکل تھی۔

اس حملے نے عملاً امریکہ اور ایران کے درمیان براہ راست لڑائی میں موجود نازک وقفہ ختم کر دیا اور واشنگٹن کو ایران کے اندر دوبارہ حملے شروع کرنے پر آمادہ کیا۔

یہ غیر معمولی بھی تھا۔

اگر تہران کی ترجیح جنگ بندی حاصل کرنا ہوتی تو پھر اس حملے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

لیکن اگر ایرانی قیادت یہ سمجھتی ہے کہ ایک کنٹرول میں رکھی گئی محاذ آرائی اسے زیادہ سٹریٹجک فائدہ دے سکتی ہے، تو یہ فیصلہ زیادہ قابلِ فہم ہو جاتا ہے۔

ایک ممکنہ وضاحت یہ ہے کہ تہران کا خیال ہے کہ خطرات کے باوجود ایک محدود جنگ اس کے مفادات کے لیے بہتر ہے۔

آج دونوں فریق مکمل جنگ کے لیے تیار دکھائی نہیں دیتے۔

واشنگٹن نے ایک بہت وسیع علاقائی تنازع میں بہت کم دلچسپی ظاہر کی ہے، جو خطے میں توانائی کے بنیادی ڈھانچے کو خطرے میں ڈال سکتا ہے، مزید ممالک کو اس میں شامل کر سکتا ہے، تیل کی قیمتیں بڑھا سکتا ہے اور امریکی فوجی وسائل پر مزید دباؤ ڈال سکتا ہے۔

ایران بھی ممکنہ طور پر مکمل جنگ سے بچنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اس کا کمزور فضائی دفاع، غیر محفوظ صنعتی بنیادی ڈھانچہ اور پابندیوں سے محدود معیشت نقصانات کی تلافی کو مسلسل زیادہ مشکل اور مہنگا بنا دیتے ہیں۔

ایران شاید اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ موجودہ حالات میں فوری اور مکمل فوجی فتح حاصل کرنا ممکن نہیں، اس لیے وہ ایسی حکمتِ عملی اپنانا چاہتا ہے جس میں مخالف فریق پر مسلسل دباؤ برقرار رکھا جائے۔

موجودہ حالات میں ایک طویل جنگ بندی دراصل تہران کو کمزور پوزیشن میں چھوڑ سکتی ہے۔

ایرانی بندرگاہوں کی امریکی بحری ناکہ بندی برقرار رہے گی، پابندیاں برقرار رہیں گی اور ایران بڑی حد تک بین الاقوامی توانائی منڈیوں سے باہر ہی رہے گا۔

آبنائے ہرمز میں اثر و رسوخ

دریں اثنا سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر اور خطے کے دیگر تیل اور گیس برآمد کرنے والے ممالک بتدریج اپنی معمول کی برآمدات بحال کر سکتے ہیں جبکہ ایران اقتصادی طور پر تنہا ہی رہے گا۔

ایک محدود تنازع ایران کے لیے اس منظرنامے کو بدل سکتا ہے۔

اگرچہ ایران کو بھاری فوجی اور اقتصادی قیمت چکانا پڑ رہی ہے، آبنائے ہرمز میں خلل اور حوثیوں کے ذریعے 'باب المندب' کے اطراف دباؤ عالمی جہاز رانی، انشورنس اخراجات اور توانائی منڈیوں کو متاثر کرتے رہتے ہیں۔

حتیٰ کہ محدود غیر یقینی صورتحال بھی حکومتوں، بحری جہازوں کے مالکان اور درآمد کنندگان کو ایران کے مطالبات پر توجہ دینے پر مجبور کرتی ہے۔

درحقیقت تہران کا خیال ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس اب بھی اثر و رسوخ موجود ہے۔

ایران سفارتی بحث کا رخ بدلنے کی کوشش بھی کرتا دکھائی دیتا ہے۔

غیر محدود جہاز رانی کی آزادی قبول کرنے کے بجائے، اس نے بارہا اشارہ دیا ہے کہ جہاز رانی ایسے قواعد کے تحت ہونی چاہیے جن پر ایران کی رضامندی ہو یا جن کا انتظام ایران کرے۔

اگر یہ تشریح درست ہے تو تہران کا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ آبنائے ہرمز کی کسی بھی آئندہ بحالی میں ایرانی اثر و رسوخ کی عکاسی ہو، نہ کہ جنگ سے پہلے کی صورتحال کی بحالی۔

جاری رہنے والا محدود تنازع ایران کو اس مقصد کے حصول کے لیے دباؤ برقرار رکھنے کا موقع دے گا۔

تہران کے نقطۂ نظر سے مکمل جنگ کی حد سے نیچے رہتے ہوئے بحران کو زندہ رکھنا ایسی جنگ بندی قبول کرنے سے بہتر ہو سکتا ہے جو پابندیوں، ناکہ بندی اور اقتصادی تنہائی کو بڑی حد تک برقرار رکھے۔

اس میں اندرونی سیاسی حساب کتاب بھی شامل ہو سکتا ہے۔

ایران کو اب بھی بہت بلند افراطِ زر، بے روزگاری، اقتصادی مشکلات اور عوامی بے اطمینانی کا سامنا ہے۔

بیرونی تنازعات کے دوران حکومتوں کے لیے اکثر اندرونی مخالفت کو دبانا، سخت سکیورٹی اقدامات کا جواز پیش کرنا اور قومی دفاع کے گرد حمایت اکٹھی کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس سے ایران کے اقتصادی مسائل ختم نہیں ہوتے، لیکن ان سے پیدا ہونے والے فوری سیاسی دباؤ میں کمی آ سکتی ہے۔

'کنٹرولڈ' تنازع

اس سب کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حکمتِ عملی بھاری اخراجات سے خالی ہے۔

ایران اب بھی بار بار ہونے والے فوجی حملوں اور اقتصادی غیر یقینی صورتحال کا سامنا کر رہا ہے اور اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ موجودہ توازن برقرار رکھا جا سکے گا۔

یہی وہ بنیادی تضاد ہے جس کا سامنا تہران کو ہے۔

ایک کنٹرولڈ تنازع فی الحال ایک نامکمل امن سے زیادہ اثر و رسوخ فراہم کر سکتا ہے، لیکن قابو میں رکھے گئے تنازعات اکثر بے قابو ہو جاتے ہیں۔ ایران کا خیال ہو سکتا ہے کہ وہ کشیدگی کو اتنی احتیاط سے منظم کر سکتا ہے کہ امریکہ، عالمی توانائی منڈیوں اور علاقائی سفارت کاری پر دباؤ برقرار رہے جبکہ مکمل جنگ سے بچا جا سکے۔

لیکن اس حساب کتاب میں بھی نمایاں خطرات شامل ہیں۔

زیادہ وسیع جنگ کے امکان کے علاوہ، کسی واضح انجام کے بغیر طویل تنازع بتدریج ایک سخت ردعمل کے حق میں بین الاقوامی حمایت کو مضبوط کر سکتا ہے۔

پہلے ہی ایسی علامات موجود ہیں کہ تنازع پھیل رہا ہے۔

سعودی عرب، جو ابتدا میں براہ راست شامل ہونے سے گریز کرنا چاہتا تھا، عراق میں ایران نواز شیعہ گروہوں کے خلاف حملے کر چکا ہے اور حوثیوں کے خلاف فوجی کارروائی بھی کر چکا ہے۔

اگر عالمی تجارت اور توانائی منڈیوں میں خلل جاری رہتا ہے تو وہ دیگر ممالک بھی، جو اب تک غیر جانب دار رہنے کی کوشش کر رہے تھے، ایران پر دباؤ بڑھانے کی کوششوں کی حمایت کے لیے زیادہ آمادہ ہو سکتے ہیں۔

بعض حکومتیں یہ نتیجہ بھی اخذ کر سکتی ہیں کہ زیادہ مضبوط ردعمل کے اخراجات برداشت کرنا بین الاقوامی جہاز رانی اور توانائی کی فراہمی کو متاثر کرنے والے بار بار کے بحرانوں کے ساتھ جینے سے بہتر ہے۔

اوپر بیان کردہ امکانات، جن میں مزید ممالک کا فعال طور پر شامل ہونا بھی شامل ہے، درست ثابت ہوتے ہیں یا نہیں، یہ اب بھی غیر یقینی ہے۔ بہت کچھ اس بات پر منحصر ہو سکتا ہے کہ آیا تہران اپنے اقدامات کو متوازن رکھتے ہوئے ایسی جوابی کارروائی سے بچ سکتا ہے جو امریکہ کے سیاسی اور فوجی حسابات کو بنیادی طور پر تبدیل کر دے۔

اگلا غیر متوقع حملہ یہ طے کر سکتا ہے کہ تنازع کس راستے پر آگے بڑھتا ہے۔

سعودی عرب کی جیلوں میں سزائے موت کے منتظر قیدیوں کی کہانی

’ہم اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں‘

سعودی عرب میں سزائے موت کے قیدیوں کی کوٹھڑی میں نصب ایک ٹیلی فون سے جب یہ نوجوان بی بی سی تک پہنچنے میں کامیاب ہوا تو اس کی آواز میں شدید بے بسی جھلک رہی تھی۔

حبتوم، جن کا نام اس مضمون میں شامل دوسرے قیدی کی طرح ان کی شناخت محفوظ رکھنے کے لیے تبدیل کر دیا گیا ہے، جنوبی شہر خمیس مشیط کی ایک جیل میں تین سال سے زائد عرصے سے قید ہیں۔

اپنے پیچھے موجود ساتھی قیدیوں کے شور اور نعروں کے درمیان اُنھوں نے مدد کی اپیل کی اور اس بات پر ناراضی کا اظہار کیا کہ ان کی حکومت بظاہر ان کے لیے کچھ نہیں کر رہی۔

حبتوم نے کہا: ’ایک قیدی دوسرے قیدی کو تسلی نہیں دے سکتا۔ ہمارے پاس رونے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں، حالانکہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کب آئے گی۔‘

وہ اور ان کے بعض ساتھی قیدی بہتر زندگی کی امید میں اپنے ملک میں جنگ اور غربت سے فرار ہوئے تھے۔

لیکن یہ سفر جو انھیں جبوتی اور یمن کے راستے سے سعودی عرب لے گیا، ان کی قید پر منتج ہوا۔ یوں وہ سعودی عرب کی جیلوں میں موجود ان ایتھوپین باشندوں کی بڑھتی ہوئی تعداد میں شامل ہو گئے جو منشیات کی سمگلنگ کے جرائم میں سزائے موت کے منتظر ہیں۔

اپنی کہانی سنانے کے خواہش مند بعض قیدیوں نے بی بی سی کی ٹگرینیا سروس کا موبائل نمبر حاصل کر لیا۔

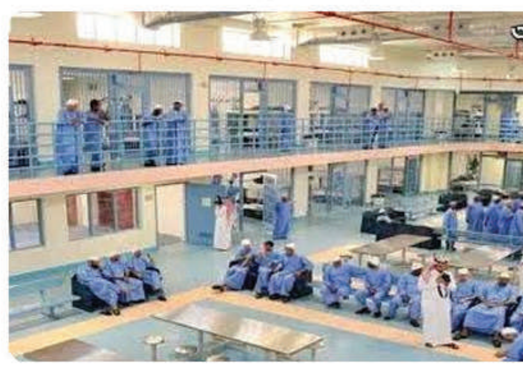

مجموعی طور پر ہم نے جیل میں موجود درجنوں اور ممکنہ طور پر 200 ایتھوپین قیدیوں میں سے سات سے بات کی جو سزائے موت پر عملدرآمد کے منتظر ہیں۔

’قیدی اپنے انجام سے بے خبر رہتے ہیں‘

پاکستانیوں، سوڈانیوں اور اردنیوں سمیت دیگر غیر ملکی بھی ایسی ہی صورتحال کا سامنا کر رہے ہیں، لیکن اس سال کے پہلے سات مہینوں میں 17 ایتھوپین باشندوں کی سزائے موت پر عمل درآمد ہو چکا ہے، جو غیر سعودی شہریوں میں سب سے بڑی تعداد ہے۔

ان میں سے پانچ افراد کو پیر کے روز سزائے موت دے دی گئی۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی تحقیق کے مطابق دو سال پہلے صرف دو ایتھوپین باشندوں کو پھانسی دی گئی تھی، لیکن 2025 میں 35 افراد کو سزائے موت دی گئی۔

یہ واضح نہیں کہ اس اضافے کی درست وجہ کیا ہے، لیکن اس کا تعلق ایتھوپیا کے شمالی علاقے ٹگرائے سے زیادہ لوگوں کے ہجرت کرنے سے ہو سکتا ہے، جہاں دو سالہ خونریز خانہ جنگی 2022 کے آخر میں ختم ہوئی تھی اور اپنے پیچھے تباہی چھوڑ گئی تھی۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی محقق دانا احمد نے بی بی سی کو بتایا: ’اس کا تعلق حالیہ برسوں میں سعودی عرب کی جانب سے منشیات سے متعلق جرائم کے لیے سزائے موت کے بڑھتے ہوئے استعمال سے بھی ہو سکتا ہے۔‘

حبتوم جو بی بی سی سے بات کرنے والوں کی اکثریت کی طرح ٹگرائے سے تعلق رکھتے ہیں، نے بتایا کہ اُنھیں حشیش جو کہ بھنگ کی ایک قسم ہے، کی سمگلنگ کا مجرم قرار دیا گیا۔

سعودی عرب میں جج کی صوابدید پر جرم ثابت ہونے کی صورت میں سزائے موت دی جا سکتی ہے۔

لیکن ریپریو، ہیومن رائٹس واچ اور ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ ایسے مقدمات میں شاذ و نادر ہی قانونی تقاضے پورے کیے جاتے ہیں۔

ایمنسٹی کی دانا احمد کے مطابق ملزمان کو وکیل یا عدالتی دستاویزات تک رسائی نہیں دی جاتی جبکہ اگر ترجمہ فراہم کیا جائے تو وہ بھی ناکافی ہو سکتا ہے۔

اُن کے بقول اگرچہ اپیل کا حق موجود ہے، لیکن وکیل نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپیل جمع نہیں کر سکتے ’اور پھر سزا خود بخود برقرار رہتی ہے۔‘

’پورے عدالتی عمل میں، سزا سنانے سے لے کر سپریم کورٹ کے جائزے اور بادشاہ کی توثیق تک، شفافیت تقریباً مکمل طور پر موجود نہیں۔ سزائے موت کے قیدی اور ان کے خاندان اپنے انجام سے بے خبر رہتے ہیں۔‘

حبتوم کا الزام ہے کہ انھیں نہ تو وکیل سے بات کرنے کا موقع ملا اور نہ ہی اپنا دفاع پیش کرنے کا۔

حبتوم نے یہ بھی کہا کہ ان کے عربی زبان کی ایک دستاویز پر زبردستی دستخط کروائے گئے تھے جس میں درج تھا کہ وہ سزا سے اتفاق کرتے ہیں جبکہ وہ یہ سمجھے بغیر دستخط کر رہے تھے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

بی بی سی سے بات کرنے والے دیگر قیدیوں نے بھی قانونی نظام کے بارے میں اسی نوعیت کی کہانیاں سنائیں۔

سعودی حکام نے قانونی عمل کے غیر منصفانہ ہونے کے الزامات پر بی بی سی کی تبصرے کی درخواست کا جواب نہیں دیا، تاہم ہر پھانسی کے ساتھ سرکاری خبررساں ایجنسی کے ذریعے ایک بیان جاری کیا جاتا ہے۔

اس میں واضح طریقہ کار بیان کیا جاتا ہے: تحقیقات، عدالتی مقدمہ، اپیل، سپریم کورٹ کا فیصلہ اور پھر شاہی فرمان۔

بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ یہ سزا شہریوں کو ’منشیات کی لعنت‘ اور اس سے ہونے والے نقصان سے محفوظ رکھنے کے عزم کی عکاسی کرتی ہے۔

حبتوم نے کہا کہ اگرچہ وہ اپنی جیل کی کوٹھڑی میں نصب فون کے ذریعے کبھی کبھار اپنے خاندان سے رابطہ کر لیتے تھے۔ لیکن اُنھوں نے خاندان والوں کو یہ نہیں بتایا کہ اُنھیں سزائے موت ہو چکی ہے۔

’میں چاہوں گا کہ انھیں میری موت کے بعد بتایا جائے‘

حبتوم کا خواب تھا کہ وہ ہائی سکول مکمل کریں، کالج سے فارغ التحصیل

ہوں اور اپنے والدین کی مدد کے لیے ملازمت حاصل کریں، لیکن ٹگرائے کی جنگ نے یہ خواب چکنا چور کر دیا۔

اُن کا کہنا تھا کہ ’میرا مقصد تباہ ہو گیا ہے، لہذا میں نے ہجرت کا فیصلہ کیا۔‘

سنہ 2021 میں سعودی عرب تک کے خطرناک سفر سے بچ جانے کے بعد حبتوم نے کم اُجرت پر بکریاں چرانے کا کام کیا، لیکن ان کے مالکان نے انھیں اور دیگر لوگوں کو زیادہ رقم کمانے کا موقع پیش کیا۔

انھیں ایک پیکج پہنچانے کے لیے کہا گیا، لیکن راستے میں پولیس نے انھیں روک لیا اور ان کے پاس سے قات نامی نشہ آور پتے برآمد ہوئے جو ایک قدرتی محرک ہے اور افریقہ کے قرن کے علاقے میں وسیع پیمانے پر استعمال ہوتا ہے۔

سعودی حکام کے تمام سرکاری بیانات میں حشیش کی سمگلنگ کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن بی بی سی سے بات کرنے والوں نے قات کا ذکر کیا۔

حبتوم نے کہا: 'میں نہیں جانتا تھا کہ ہم کیا لے جا رہے ہیں۔ بعد میں مجھے بتایا گیا کہ یہ قات تھا۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ قات کیا ہے۔'

اُنھوں نے اعتراف کیا کہ پیش کردہ رقم نے انھیں یہ کام قبول کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ حبتوم نے تسلیم کیا کہ اُن سے 'جان بوجھ کر نہیں بلکہ لاعلمی میں غلطی ہوئی' اور وہ امید کرتے ہیں کہ ان کی سزا کو قید میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

ان کے تین ساتھی ایتھوپین قیدیوں کو اپریل میں سزائے موت دی گئی جبکہ مزید نو افراد جون میں مارے گئے۔ اپریل کی اپنی رپورٹ میں ہیومن رائٹس واچ نے سعودی حکام سے مطالبہ کیا کہ وہ ایتھوپین مہاجرین کی پھانسیوں کو فوری طور پر روکیں اور تمام مقدمات کو بین الاقوامی قانون کے مطابق نمٹائیں۔

تنظیم نے ایتھوپیا کی وزارت خارجہ سے بھی فوری مداخلت اور قونصلر معاونت فراہم کرنے کا مطالبہ کیا۔

سعودی عرب میں عمومی طور پر ایتھوپین باشندوں کی سلامتی کا مسئلہ مئی میں ادیس ابابا میں ایتھوپیائی وزیر خارجہ گیڈیون تیموتھیوس اور سعودی نائب وزیر خارجہ ولید الخریجی کے درمیان ملاقات میں اٹھایا گیا۔

اس کے بعد جون میں ایتھوپیا کے سفیر طفہ تولو دادی نے جیل کا دورہ کیا، اگرچہ قیدیوں نے بی بی سی کو بتایا کہ انھیں اپنی صورتحال بیان کرنے کے لیے کافی وقت نہیں دیا گیا۔

اس کا اثر بھی محدود دکھائی دیا کیونکہ اگلے ہی ہفتے مزید ایتھوپیائی باشندوں کو سزائے موت دے دی گئی۔

افریقی یونین کے انسانی حقوق کمیشن نے بھی ایتھوپیا پر زور دیا ہے کہ وہ سعودی عرب میں پھانسی کا سامنا کرنے والے ایتھوپیائی باشندوں کی جانوں کے تحفظ کے لیے اقدامات کرے۔

بی بی سی نے سعودی عرب میں ایتھوپیائی حکام اور ادیس ابابا میں حکومت سے تبصرے کے لیے رابطہ کیا لیکن کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

اگرچہ سزائے موت کا براہ راست ذکر نہیں کیا گیا، ایتھوپیا کی وزارت خارجہ نے 13 جولائی کو ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا کہ وہ سعودی حکام کے ساتھ 'مشکل حالات کا سامنا کرنے والے ایتھوپیائی

شہریوں کے لیے مناسب حل تلاش کرنے' کے سلسلے میں مسلسل رابطے میں ہے۔

بیان میں مزید کہا گیا کہ 'اب تک' تقریباً دو ہزار ایتھوپیائی 'شاہی معافیوں سے فائدہ اٹھا چکے ہیں'، تاہم جرائم یا سزاؤں کی تفصیلات نہیں بتائی گئیں۔

ایک قیدی نے بیان کیا کہ ان کی کوٹھڑی کا دروازہ دن میں صرف ایک مرتبہ اس وقت کھولا جاتا تھا جب ایک محافظ کھانا لے کر آتا تھا۔

'عربی زبان کی ایک دستاویز پر دستخط پر مجبور کیا گیا'

سفارتی کوششوں کا نتیجہ نا جانے کب سامنے آئے گا لیکن بی بی سی سے بات کرنے والے قیدیوں نے کہا کہ وہ سخت حالات جھیل رہے ہیں۔

دستا جو جیل کے دوسرے حصے میں موجود ہیں نے بتایا کہ ان کی کوٹھڑی میں 200 افراد تھے حالانکہ یہ جگہ 90 افراد کے لیے بنائی گئی تھی اور دیواروں کے ساتھ 45 بنک بیڈ لگے ہوئے تھے۔

اُنھوں نے کہا کہ دن کے وقت قیدی شدید گھٹن والی حالت میں فرش پر بیٹھتے تھے جبکہ رات کو درجہ حرارت کم ہونے پر وہ چادروں کی جگہ کچرے کے تھیلے اوڑھ لیتے تھے۔

دستا نے کہا: 'موت کے خوف اور گنجان حالات کے باعث ہم بیماری اور اضطراب کا شکار ہو رہے ہیں۔'

'محافظ صرف کھانا دینے کے لیے دروازہ کھولتا ہے، وہ اپنا منہ اور ناک ماسک سے ڈھانپتا ہے۔ دروازہ صرف اسی وقت کھلتا ہے۔ کھانا دینے کے بعد وہ فوراً اسے بند کر کے چلا جاتا ہے۔'

'ان سے کوئی سوال پوچھنا یا بات کرنا ممکن نہیں۔ اگر آپ پوچھیں بھی تو سخت مار پڑتی ہے۔'

انھیں تین سال سے زائد عرصہ قبل یمن سے سرحد عبور کرنے کی کوشش کے دوران گرفتار کیا گیا تھا اور ان پر منشیات کی سمگلنگ کا الزام لگایا گیا تھا۔

'ہم چار ایتھوپیائی تھے اور ہمارے ساتھ ایک یمنی تھا۔ اس نے کہا کہ وہ ہمیں محفوظ طریقے سے سرحد پار کرا سکتا ہے کیونکہ اسے محفوظ ترین راستے کا علم تھا۔ اس کے بدلے اس نے ہم سے قات پر مشتمل پیکج اٹھانے کو کہا اور کچھ رقم دینے کا وعدہ بھی کیا۔

'بدقسمتی سے سرحد عبور کرنے کے فوراً بعد ہمیں پولیس نے پکڑ لیا۔ اُنھوں نے ہم پر فائرنگ کی، یمنی شخص تو بھاگ گیا لیکن ہم نہیں بھاگ سکے۔ ہم حیران تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کہاں جائیں۔'

بی بی سی سے بات کرنے والے تمام افراد کی طرح دستا نے بھی کہا کہ انھیں کبھی توقع نہیں تھی کہ انھیں سزائے موت سنائی جائے گی، بلکہ انھیں یقین تھا کہ قید کاٹنے کے بعد وہ گھر واپس لوٹ جائیں گے۔ اس کے بجائے ان کا الزام ہے کہ انھیں بھی عربی زبان کی ایک دستاویز پر دستخط کرنے پر مجبور کیا گیا جس میں ایسے الزامات درج تھے جن کی سزا موت تھی۔ بعد ازاں عدالت میں پیش ہونے پر، ان کے مطابق، انھیں الزامات کو چیلنج کرنے کا موقع نہیں دیا گیا اور اس کے پاس کوئی قانونی نمائندگی بھی نہیں تھی۔

دستا نے کہا: 'جب آپ پہلے دن جج کے سامنے پیش ہوتے ہیں تو وہ پوچھتا ہے: کیا آپ الزامات قبول کرتے ہیں؟ دوسری پیشی پر وہ آپ کو سزائے موت سنا دیتا ہے۔'

اینٹیں بنانے والے دستا نے جو اپنے خاندان کی کفالت کے لیے جدوجہد کر رہے تھے، جنگ کے دوران ٹگرائے اس وقت چھوڑا جب لڑائی ان کے گھر کے قریب پہنچنے لگی تھی۔ اب انھیں ایک بار پھر اپنی جان کی فکر ہے۔۔ وہ، حبتوم اور سزائے موت کے منتظر درجنوں دیگر افراد بیرونی مدد کی اپیل کر رہے ہیں۔

حبتوم نے کہا: 'ہم شدید خوف میں زندگی گزار رہے ہیں اور ہمیں دیا جانے والا کھانا بھی نہیں کھا سکتے۔'

یومِ شہدائے پولیس کا مقصد اور پیغام

یوم شہدائے پولیس کا ایک مقصد پولیس افسران اور اہلکاروں کے عزم، ارادے اور قربانیوں کو سراہنا بھی ہے

محافظ ہمہ وقت موت اور بے یقینی کے دروازے پر کھڑے ہو کر زندگیوں پر پہرہ دیتے ہیں۔ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے وہ ملت کی تعمیر کرتے ہیں۔ ان کی قربانیوں سے عام افراد بھی روشنی لیتے ہیں۔ خدمت کا جذبہ اور دوسروں کا خیال رکھنے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

نائن الیون کے بعد دہشت گردی کے خلاف جنگ کا آغاز ہوا تو اس کے اثرات پاکستانی سرحدوں سے لے کر شہری علاقوں تک پھیل گئے۔ پاکستانی قوم نے اس جنگ کے خون ریز نتائج کا سامنا کیا۔ اس جنگی صورتِ حال نے پولیس کے لیے معمول سے ہٹ کر کچھ ایسے چیلنجز پیدا کر دیے جو سنگین نوعیت کے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے چیلنجز کا سامنا عام طور سے کسی بھی ملک کی پولیس کو نہیں ہوتا۔ پاکستانی پولیس افسران اور اہلکاروں نے وسائل اور تربیت کی کمی کے باوجود شہریوں کے تحفظ کو یقینی بنایا۔ اس کوشش میں بے شمار پولیس افسران اور اہلکاروں کی شہادتیں ہوئی۔ ان کے اہل خانہ اور عزیز و اقارب کو بھی سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑا۔

افغان بارڈر کے قریب ہونے کی وجہ سے اس جنگ کی سب سے بھاری قیمت خیبر پختونخوا پولیس ڈپارٹمنٹ کے سپاہیوں کو چکانی پڑی۔ عوامی اجتماعات، عبادت گاہوں، سرکاری املاک اور اداروں پر ڈیوٹی کے دوران پولیس اہلکار جانی اور مالی نقصان تو اٹھاتے ہی رہے ہیں، مگر پندرہ سال تک جاری رہنے والی اِس جنگ میں پولیس اہلکاروں اور ان کے عزیز و اقارب کو براہ راست نشانہ بنایا گیا۔ پولیس اسٹیشنوں پر بھاری اسلحے اور بارود کے ساتھ مسلسل حملے ہوئے، حفاظتی مراکز کا گھیراؤ کر کے پولیس اہلکاروں کو یرغمال بنایا گیا، مختلف ذمے داریوں پر متعین کئی پولیس افسران کا مسلسل تعاقب کیا گیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ 4 اگست 2010 کو پشاور میں ہوا، جب دہشت گردوں نے ڈیوٹی پر موجود انسپکٹر جنرل صفوت غیور کو قاتلانہ حملہ کر کے شہید کر دیا۔ یہ سانحہ پولیس ڈپارٹمنٹ کے لیے غیر معمولی دھچکا ثابت ہوا۔ 2015 میں انسپکٹر جنرل خیبر پختونخوا ناصر درانی نے اسی شہادت کی مناسبت سے 4 اگست کو شہدائے پولیس کا قومی دن قرار دیا۔ اس اقدام کو پولیس کے تمام محکموں نے سراہا اور اپنے شہید ساتھیوں کی قربانیوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کی روایت ڈالی۔

یوم شہدائے پولیس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ پولیس افسران اور اہلکاروں کے عزم، ارادے اور قربانیوں کو سراہا جا سکے۔ کیونکہ پولیس افسران کو روزمرہ کی ڈیوٹی میں داخلی اور بیرونی خطرات کا براہ راست سامنا رہتا ہے۔ تحقیق بتاتی ہے کہ پولیس ڈپارٹمنٹ کے ہر محکمے کو منفرد انداز کے چیلنجز کا سامنا ہے۔ انہی چیلنجز کا مقابلہ کرتے ہوئے کئی افسران کو جان سے گزرنا پڑا۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ قربانی دینے والے پولیس افسران اور اہلکاروں کے اہل خانہ کی عملی طور پر مدد کی جا سکے۔ اس سلسلے میں نہ صرف یہ کہ حکام کو متوجہ کیا گیا بلکہ پولیس ڈپارٹمنٹ کی اپنی تنظیموں نے بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے شہدا کے بچوں کے سر پر محبت، شفقت اور تعاون کا ہاتھ رکھا۔

یہ دن

جہاں پولیس اہلکاروں کی قربانیوں کو خراجِ تحسین پیش کرنے کا موقع دیتا ہے، وہاں یہ اپنی کارکردگی کا جائزہ لینے کا موقع بھی فراہم کرتا ہے۔ گزشتہ ایک عشرے سے پولیس ڈپارٹمنٹ نہ صرف انتظامی امور کی روشنی میں اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لے رہا ہے بلکہ عالمی قوانین اور معیارات کے آئینے میں بھی اپنی کارکردگی کو دیکھ رہا ہے۔

اپنی کارکردگی کو عالمی معیار سے ہم آہنگ کرنے کے لیے مسلسل تربیتی نشستوں، مطالعاتی دوروں، تجربات کے تبادلوں کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔

قانون کی عملداری، قیدیوں کے ساتھ سلوک کے لیے متوازن رویوں، حالات پر قابو پانے کے لیے طاقت کے متناسب استعمال کو یقینی بنانے کے لیے مقامی قوانین اور بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے بیچ مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بہتری کے اس سفر کو پائیدار بنانے کے لیے بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے نگہبان ادارے انٹرنیشنل کمیٹی آف دی ریڈ کراس کے ساتھ باہمی تعاون کی بنیاد پر شراکت کا عمل جاری ہے۔ اس شراکت کے نتیجے میں تربیتی نشستوں کا اہتمام، تحریری مواد کی فراہمی، عالمی قوانین کے ماہرین اور عالمی سطح کا تجربہ رکھنے والے سینئر پولیس افسران سے استفادے کو ممکن بنایا جا رہا ہے۔

ان سرگرمیوں کے نتیجے میں نہ صرف شہریوں اور محافظوں کے بیچ اعتماد کا فقدان کم ہو رہا ہے، بلکہ پولیس ادارے میں داخلی طور پر بھی استحکام پیدا ہو رہا ہے۔

رابیل امر

س_کیا ریڑھ کی ہڈی کو سیدھا رکھنے سے قسمت بدلتی ہے؟
ج_ جی ہاں! قدیم علوم کے مطابق ریڑھ کی ہڈی توانائی کا مرکز ہے_ اسے سیدھا رکھنے سے کائناتی لہریں بہتر جذب ہوتی ہیں اور انسان کے فیصلے درست ہوتے ہیں_

س_پسینے کی بدبو کا باطنی حل کیا ہے؟
ج_ غسل کے پانی میں تھوڑا سا نمک اور پودینہ ڈالنا جسم کے برقی حصار (Aura) کو صاف کرتا ہے اور بو پیدا کرنے والے جراثیم ختم کرتا ہے_

س_کیا ہم دوسروں کی بیماری محسوس کر سکتے ہیں؟
ج_حساس لوگ دوسروں کے گرد موجود توانائی کی لہروں سے ان کی بیماری بھانپ لیتے ہیں_
اس سے بچنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر بیٹھنا (Cross arms) دفاعی حصار بناتا ہے_

س_جسمانی سوجن (Bloating) کا قدیم حل؟
ج_تانبے کے برتن میں رکھا ہوا پانی اور ادرک کا ایک چھوٹا ٹکڑا چبانا جسم سے فالتو پانی خارج کرتا ہے_

س_ یادداشت کو "سیلولر لیول" پر کیسے ٹھیک کریں؟
ج_رات کو سونے سے پہلے اپنے پورے دن کے کاموں کو الٹی ترتیب (Reverse) میں یاد کرنا دماغی خلیوں کی سروس کرتا ہے_

س_کیا درختوں کے نیچے سونا خطرناک ہے؟
ج_رات کو درخت کاربن ڈائی آکسائیڈ چھوڑتے ہیں، جو انسانی توانائی کو چوس لیتی ہے اور ڈراؤنے خوابوں کا سبب بنتی ہے_
(ہاں نیم یا ان درختوں کے نیچے سونا مفید ہو سکتا ہے جو کاربن ڈائی آکسائڈ نہ چھوڑتے ہوں، باقی رات درختوں کے نیچے سونے سے اگر یہ خوف لاحق ہو کہ درخت کے اوپر سے کوئی جان لیوا کیڑا گر سکتا ہے تو ایسی حالت میں بالکل نہیں سونا چاہیے)

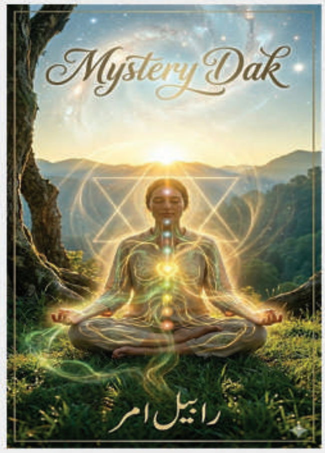

س_لفظ "الحمدللہ" کا جسمانی اثر کیا ہے؟
ج_شکرگزاری کا لفظ ادا کرنے سے دل کی دھڑکن مستحکم ہوتی ہے اور جسم میں سکون بخش ہارمونز پیدا ہوتے ہیں_

س_ وہ کون سی مدرا ہے جو خود اعتمادی (Confidence) بڑھاتی ہے؟
ج_ "اہنکار مدرا"_شہادت کی انگلی کو موڑ کر انگوٹھے کے درمیان میں رکھیں۔ یہ خوف ختم کر کے رعب پیدا کرتی ہے_

س_گھٹنوں کے درد کا ایکوپریشر پوائنٹ؟
ج_ گھٹنے کے پچھلے حصے (جوڑ) کے بالکل درمیان میں دبانے سے خون کی گردش بہتر ہوتی ہے اور درد میں آرام آتا ہے_

س_سانس پھولنے کا یوگا سے حل؟
ج_ "انولوم ولوم"۔ باری باری نتھنوں سے سانس لینا پھیپھڑوں کی گنجائش بڑھاتا ہے_

س_جگر اور معدے کی گرمی کا پوائنٹ؟
ج_ پاؤں کے انگوٹھے اور دوسری انگلی کے درمیان والے جوڑ کو دبانا جگر کی گرمی نکال دیتا ہے_

س_غصے کو ٹھنڈا کرنے کی مدرا؟
ج_ "پرتھوی مدرا"۔ یہ بے چینی ختم کر کے انسان کو زمین سے جوڑتی ہے (Grounding)_

س_تھائیرائڈ کا ایکوپریشر؟
ج_انگوٹھے کے نچلے موٹے حصے (ہتھیلی پر) کا مساج کرنا تھائیرائڈ غدود کو متوازن رکھتا ہے_

س_بینائی تیز کرنے کی مدرا؟
ج_ "پران مدرا"۔ چھوٹی انگلی، انگوٹھی والی انگلی اور انگوٹھے کو ملانا نظر کی کمزوری دور کرتا ہے_

س_ چہرے کے دانوں اور داغوں کا باطنی علاج؟
ج_سونے سے پہلے ناف میں کڑوے تیل (سرسوں) کے دو قطرے لگانا جلد کو اندر سے صاف کرتا ہے_

س_بالوں کو ریشم جیسا نرم بنانے کا راز؟
ج_انڈے کی سفیدی میں دہی ملا کر لگانا بالوں کو پروٹین فراہم کرتا ہے اور قدرتی کنڈیشنر کا کام کرتا ہے_

س_آنکھوں کی چمک بڑھانے کا طریقہ؟
ج_روزانہ صبح سورج نکلنے سے پہلے گھاس پر پڑی شبنم (Dew) کو آنکھوں پر لگانا بینائی اور چمک بڑھاتا ہے_

س_آواز میں جادوئی مٹھاس کیسے لائیں؟
ج_ گلے پر زیتون کے تیل کی مالش کرنا اور نیم گرم پانی میں نمک ڈال کر غرارے کرنا آواز کو سریلا بناتا ہے_

س_شخصیت میں مقناطیسی کشش کا فارمولا؟
ج_ بولنے سے پہلے سامنے والے کی بات پوری توجہ سے سننا آپ کے ہالے (Aura) کو طاقتور بناتا ہے_

س_گردن کی سیاہی ختم کرنے کا طریقہ؟
ج_لیموں کے چھلکے پر تھوڑی سی بیکنگ سوڈا ڈال کر ملنا گردن کو صاف اور چمکدار بناتا ہے_

س_باطنی حسن کی معراج؟
ج_مسکراہٹ_ایک سچی مسکراہٹ چہرے کے ان پٹھوں کو متحرک کرتی ہے جو جوانی کو برقرار رکھتے ہیں_

ارشد پپو

لیاری گینگ وار کے اہم کردار کی جرم میں لپٹی زندگی اور تشدد سے بھری موت کی کہانی

جعفر رضوی (بی بی سی رپورٹ)

(تیسری قسط)

انتباہ: اس تحریر میں موجود تفصیلات چند قارئین کے لیے پریشان کن ہوسکتی ہیں۔

لیاری سے تعلق رکھنے والے ذرائع کے مطابق 'اس صورتحال میں سب نے بلوچ اتحاد تحریک کے رہنما انور بھائی جان سے درخواست کی کہ وہ ثالث بنیں اور دونوں گروہوں میں صلح کی کوشش کریں۔'

بلوچ اتحاد تحریک کے سربراہ یعنی انور بھائی جان کا لیاری میں خاصا احترام تھا۔ انور بھائی جان دراصل ارشد پپو کی اہلیہ کے ماموں بھی تھے اور رحمٰن ڈکیت سے بھی اُن کی کسی نہ کسی طرح قرابت داری تھی۔

ابھی انور بھائی جان ثالثی کی کوششیں شروع کر ہی رہے تھے کہ رحمٰن ڈکیت نے 8 جنوری 2005 کو اپنے ساتھیوں کی مدد سے کلاشکوف سے فائرنگ کر کے انھیں ہی قتل کر دیا۔

بعد میں سامنے آنے والی جے آئی ٹی رپورٹ کے مطابق رحمٰن نے گرفتاری کیے بعد تفتیش کاروں کو بتایا کہ انور بھائی جان ارشد پپو سے رشتہ داری کی بنا پر لالو گینگ کی جانب جھکاؤ رکھتے تھے اور اُن کی ثالثی غیر جانبدار نہیں تھی جس کی وجہ سے رحمٰن کو لیاری میں نقصان اور بدنامی کا سامنا تھا۔ اسی لیے جب انور بھائی جان ایک جنازے میں شرکت کے لیے میوہ شاہ روڈ پر غریب شاہ مزار کے پاس کے قریب سے گزرے تو رحمٰن نے انھیں قتل کر دیا۔

انور بھائی جان کے اس قتل کے ساتھ ہی صورتحال بدل گئی۔ ارشد پپّو اور رحمٰن ڈکیت کے درمیان کسی مصالحت یا سمجھوتے کی امید دم توڑ گئی۔

لیکن تب تک رحمٰن ڈکیت لیاری میں اتنا مضبوط ہو چکا تھا کہ سیاسی قوتوں کو بھی اُس کی ضرورت پڑتی تھی۔ بلدیاتی انتخابات ہوں یا قومی و صوبائی اسمبلی کا الیکشن، لیاری میں کامیابی رحمٰن کی مرضی کے بغیر مشکل ہوتی تھی۔

اور ٹرانس لیاری میں ارشد پپّو کی سیاسی رسائی اور پہنچ بھی بہت دور تک ہو چکی تھی۔ صوبے اور وفاق کے حکمراں سیاسی اتحاد میں ایک قوت یعنی پیپلز پارٹی رحمٰن کی حامی تھی تو دوسری جانب الزام لگا کہ ایم کیو ایم ارشد پپّو کو ساتھ مل چکی تھی۔

ایم کیو ایم پاکستان کے رہنما اور سابق وزیر داخلہ رؤف صدیقی، سابق گورنر ڈاکٹر عشرت العباد، اور اب ایم کیو ایم پاکستان سے وابستہ سینیٹر فیصل سبزواری سب ہی مجھ سے علیحدہ علیحدہ گفتگو میں تسلیم کر چکے ہیں کہ ایم کیو ایم کے بعض ارکان بھتے کے دھندے میں ملوث رہے اور یہ معلوم ہو جانے پر خود ایم کیو ایم کی صوبائی حکومت نے کم از کم 48 ایسے افراد کو گرفتار کر کے اُن کے خلاف کارروائی کی اور بعد ازاں ایسے کارکنوں کو پارٹی سے خارج بھی کیا گیا۔

جبکہ ایم کیو ایم (لندن) کے کنوینز مصطفیٰ عزیز آبادی لیاری کے واقعات سے ایم کیو ایم کے کسی بھی طرح کے تعلق سے انکار کرتے ہیں۔ وہ کئی بار مجھے بتا چکے ہیں کہ 'یہ تو منشیات فروشوں کی نسل در نسل دشمنی کا سلسلہ تھا۔ جب قتل و غارت اور بھتہ خوری بڑھی تو ہم نے احتجاج اور ایوانوں میں مذمت ضرور کی کہ بھئی یہ کیا غنڈہ گردی ہو رہی ہے تو ہماری مذمت کو یہ رنگ دے دیا گیا کہ ہمارا اور گینگ وار کا کوئی تصادم چل رہا ہے۔ ہمارا ان سے کیا لینا دینا؟'

مصطفیٰ عزیز آبادی کا موقف اپنی جگہ مگر اس صورتحال نے رحمٰن پر لیاری میں مشکلات کے دروازے کھول دیے۔

تب ارشد پپو نے چُن چُن کر رحمٰن کے ساتھیوں کو ٹھکانے لگانا شروع کیا اور قتل و غارت عروج پر پہنچ گئی۔ رحمٰن پر زمین اتنی تنگ کر دی گئی کہ اُس کے پاس فرار کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا۔

دھندے اور صورتحال پر دوبارہ قابو پانے کے لیے رحمٰن کو مہلت درکار تھی اور تب تک کے لیے وہ کراچی اور بلوچستان کے سرحدی علاقے حب منتقل ہو گیا۔

اب پورا لیاری ارشد پپّو کی مٹھی میں تھا لیکن اس کہانی میں ایک اور کردار بھی تھا جس کا نام تھا چوہدری اسلم۔

کسی زمانے میں ایم کیو ایم کے عسکری بازو سے جُڑے عناصر مجھ سے ہونے والی نجی ملاقاتوں میں الزام لگاتے تھے کہ پولیس افسر چوہدری محمد اسلم خان ایم کیو ایم کے سیکڑوں کارکنوں کی ایسی ہلاکتوں میں ملوث رہے ہیں جنھیں جعلی پولیس مقابلہ یا ماورائے عدالت قتل کہا جاتا ہے۔

لیکن جب 2005 میں ایم کیو ایم کی سیاسی حمایت سے ہی قائم صوبائی حکومت نے لیاری ٹاسک فورس تشکیل دی تو اس کی سربراہی چوہدری اسلم کو ہی سونپی گئی۔

اس فورس کے سربراہ بنے ایس پی چوہدری اسلم۔ رحمٰن تب بھی حب میں اپنے خفیہ اڈّے میں چھپا رہا۔ رحمٰن کے اس خفیہ اڈّے کی اطلاع صرف چوہدری اسلم جیسے ہی کسی افسر کو مل سکتی تھی اور ایک دن مل بھی گئی۔

رحمٰن کے ٹھکانے کی اطلاع ملتے ہی چوہدری اسلم لیاری ٹاسک فورس کی نفری لے کر رحمٰن کو گرفتار کرنے حب پہنچ گئے۔ رحمٰن کو بھی پہلے ہی اطلاع مل گئی کہ کہ چوہدری اسلم کی پولیس ٹیم اُسے گرفتار کرنے آ رہی ہے۔ بھاری نفری کے ہمراہ چوہدری اسلم کے وہاں پہنچتے ہی، پہلے سے مورچہ بند رحمٰن اور اُس کے ساتھیوں نے سب کو گولیوں کے نشانے پر رکھ لیا۔

اس کارروائی میں شریک رہنے والے ایک افسر نے بتایا کہ 'پیٹ میں گولی لگنے سے چوہدری اسلم معمولی زخمی ہوئے اور کراچی پولیس کے ایک اور نامور افسر عرفان بہادر بھی شدید زخمی ہوئے جنھیں ہاتھ اور پیر میں سات گولیاں لگیں۔'

رحمٰن اور اُس کے ساتھیوں کی مزاحمت اتنی شدید تھی کہ چوہدری اسلم اور عرفان بہادر کے زخمی ہو جانے پر پولیس کو پسپا ہونا پڑا۔ رحمٰن کو گرفتار کرنے کی اس کوشش میں ناکامی پر چوہدری اسلم اور پولیس کو شدید شرمندگی

اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

اِس ناکام چھاپے کے بعد رحمٰن کوئٹہ کے سیٹلائٹ ٹاؤن میں واقع اپنے ایک اور خفیہ اڈّے پر منتقل ہوگیا مگر پھر کسی نے چوہدری اسلم کو رحمٰن کے اس اڈّے کا پتہ بھی بتادیا۔

بی بی سی کو دستیاب ایک خفیہ رپورٹ کے مطابق اطلاع ملتے ہی '18 جون 2006 کو چوہدری اسلم کی سربراہی میں لیاری ٹاسک فورس نے وہاں بھی چھاپہ مارا۔'

اس دفعہ چوہدری اسلم نے رحمٰن ڈکیت کو دبوچ ہی لیا۔ چوہدری اسلم نے رحمٰن کی اس گرفتاری کی کہانی بہت سے کرداروں کو خود سنائی اور اُن میں سے ایک نے مجھے سنائی۔ وہ بھی ریکارڈڈ گفتگو میں۔

18 جون 2006 کو ہونے والی رحمٰن ڈکیت کی یہ گرفتاری سرکاری ریکارڈ پر کبھی ظاہر نہیں گئی۔ اسلام آباد میں تعینات رہنے والے ایک اور اعلیٰ افسر نے مجھے بتایا کہ 'اچانک ایک خفیہ فوجی ادارے (آئی ایس آئی نہیں) کے حکام وہاں پہنچے اور رحمٰن کو فوجی تحویل میں لے لیا۔'

پھر کئی روز تک کسی خفیہ فوجی مرکز پر رحمٰن سے تفتیش کی جاتی رہی۔ تفتیش مکمل ہونے پر فوجی حکام نے رحمٰن کو دوبارہ لیاری ٹاسک فورس کے حوالے کردیا۔ اب ایک نیا مسئلہ سامنے آیا کہ رحمن کو رکھا کہاں جائے؟ گرفتاری تو ظاہر کی ہی نہیں گئی تھی۔

تو پھر چوہدری اسلم کے ہی مشورے پر اعلیٰ حکام نے یہ فیصلہ کیا کہ بغیر اعلان کے گرفتار رحمن کو پہلے کچھ دن گارڈن پولیس لائنز میں واقع لیاری ٹاسک فورس کے افسر انسپکٹر ناصر الحسن کے گھر پر خفیہ رکھا جائے گا اور پھر سائیٹ کے علاقے میٹروول میں واقع (اس وقت کے) ایس ایچ او کلری بہاالدین بابر کی نجی رہائش گاہ پر منتقل کردیا جائے گا۔

واضح رہے کہ کراچی آپریشن میں انتہائی فعال رہنے والے یہ دونوں پولیس افسران بعد میں قتل ہوگئے۔

انسپکٹر ناصر الحسن 2 جولائی 2010 کو قتل کیے گئے اور انسپکٹر بہاؤالدین بابر 31 دسمبر 2013 کو قتل ہوگئے۔

خفیہ سرکاری رپورٹ کے مطابق 20 اگست 2006 کی صبح 7:15 رحمٰن ڈکیت انسپکٹر بابر کے گھر سے بڑے ہی 'ڈرامائی انداز' میں فرار ہوگیا۔

پانچ ساتھیوں کی مدد سے رحمٰن کے یوں فرار ہوجانے پر پولیس اور دیگر اداروں کے اعلیٰ ترین حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ شرمندگی اور ندامت سے بھرپور احتسابی عمل شروع ہوا۔

یکم جنوری 2014 کو انگریزی اخبار ڈان میں صحافی عمران ایوب نے اپنی رپورٹ 'بہاؤالدین بابر اے پروفائل' میں لکھا کہ بابر کو رحمان کے فرار کے بعد کڑی تفتیش، حراست اور حوالات کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔

رحمان کی کہانی سے واقف سیاستدان اور چند پولیس افسران کے مطابق 'فوجی حکام کو شک تھا کہ رحمان کے اس فرار میں بابر کی ملی بھگت کا بھی کوئی نہ کوئی کردار ضرور تھا۔'

انسپکٹر بابر 31 دسمبر 2013 کو ایک حملے میں قتل کردیے گئے۔

چوہدری اسلم کو بھی سخت تفتیش کا سامنا کرنا پڑا اور پولیس ذرائع کے مطابق رحمٰن کے فرار ہوجانے پر چوہدری اسلم کو جن مراحل سے گزرنا پڑا وہ رحمٰن کے خلاف چوہدری اسلم کے دل میں غصہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھے۔

ارشد نے اپنی باری میں لیاری کا تخت رحمٰن سے چھین تو لیا تھا مگر لیاری واپسی آنے کے بعد اب حملہ کرنے کی باری رحمٰن ڈکیت کی تھی۔ پپّو کا ہر کارندہ، دوست یا حمایتی یا مارا گیا یا علاقہ چھوڑ جانے پر مجبور ہوگیا۔

اب جان بچانے کی فکر ارشد پپّو کو لاحق ہوئی۔ جس لیاری پر پپو نے کبھی راج کیا تھا اب وہی لیاری پپّو اور اُس کے گینگ کے لیے 'نوگو ایریا' بن گئی۔

منگل 10 اکتوبر 2006 کو پولیس نے ارشد پپّو کو دھرلیا۔ یہ (لیاری کے علاقے) نیا آباد میں چھٹی منزل پر واقع فلیٹ تھا جہاں سے (اُس وقت کے) ایس پی لیاری فیاض خان نے ارشد پپّو کو گرفتار کرلیا۔

سابق ایس پی لیاری فیاض خان نے مجھے بتایا کہ 'یہ گرفتاری ایک زبردست منصوبہ بندی کا نتیجہ تھی۔ فلیٹ چھٹی منزل پر تھا۔ ارشد پپّو اُس روز پولیس سے بچ ہی نہیں سکتا تھا۔'

بی بی سی اردو کی 11 اکتوبر 2006 کی اشاعت میں بتایا گیا کہ ارشد پپّو کی گرفتاری اتنی بڑی کامیابی تھی کہ اس کا اعلان کراچی کی پولیس کے (اُس وقت کے) سربراہ ڈی آئی جی نیاز صدیقی نے خود کیا اور بتایا تھا کہ پپّو کی گرفتاری پر 30 لاکھ روپے انعام مقرر تھا۔

اُس وقت ارشد پپّو قتل، اقدام قتل، اغوا برائے تاوان، بھتہ، لوٹ مار جیسے سنگین جرائم کے 50 سے زائد مقدمات میں پولیس کو مطلوب تھا۔

پپو کی اہلیہ اسما کا کہنا تھا کہ پپو اس گرفتاری سے ایک ہفتہ قبل تک ایران میں تھا اور عید کرنے کی غرض سے گھر واپس پہنچا تھا کہ سادہ لباس پولیس اہلکاروں نے اُسے گرفتار کرلیا۔ اب ارشد پپّو جیل میں تھا اور رحمٰن ڈکیت کھل کر کھیل رہا تھا۔

18 اکتوبر 2007 کو بے نظیر بھٹو، فوجی صدر پرویز مشرف کی جانب سے اعلان شدہ انتخابات میں شرکت کی غرض سے بیرونِ ملک سے وطن واپس پہنچیں۔ کراچی میں کارساز کے قریب بے نظیر بھٹو کے استقبالی قافلے پر پہلا خودکش حملہ ہوا اور 140 سے زیادہ لوگ مارے گئے۔ تو لیاری کے لوگوں نے ہی انھیں بحفاظت کلفٹن میں واقع بلاول ہاؤس پہنچایا۔ بے نظیر بھٹو اس حملے میں تو محفوظ رہیں مگر بالآخر 27 دسمبر 2007 کو لیاقت باغ راولپنڈی میں ہونے والے دوسرے بم حملے میں ہلاک ہوگئیں۔

تب تک لیاری اور آس پاس کے علاقوں میں رحمٰن کے اثر نفوذ کا عالم یہ ہوچکا تھا کہ ان علاقوں سے کون صوبائی یا قومی اسمبلی کا رکن بنے گا اور کون ٹاؤن ناظم ہوگا یہ فیصلہ بھی رحمٰن کی مرضی سے ہونے لگا۔

رحمان بلوچ کی موت

18 فروری 2008 کے انتخابات تک تو ایک وقت ایسا بھی آیا کہ لیاری کے بلدیاتی انتخابات میں پیپلز پارٹی کے نامزد امیدوار ہار گئے اور جیتے وہ جنھیں رحمٰن ڈکیت کی حمایت حاصل تھی۔

2008 میں ارشد پپّو کو بلوچستان کی ایک عدالت سے اچانک ضمانت مل گئی تو وہ رہا ہوکر کراچی پہنچ گیا۔ ارشد پپّو کے باہر آنے کا مطلب تھا لیاری کے اندر رحمٰن کے لیے مشکل۔ زمین دوبارہ تنگ ہوئی تو رحمٰن نے پھر بلوچستان کا رُخ کیا۔

9 اگست 2009 کے دن، رحمٰن اور اُس کے تین قریبی ساتھی اورنگزیب بلوچ، عقیل بلوچ اور نظیر بلوچ (عرف بلا) پرانا گولیمار سے ایک فور وہیل ڈرائیو میں بلوچستان کے علاقے مندھ کے لئے روانہ ہوئے۔ کسی نے لیاری ٹاسک فورس کے سربراہ چوہدری اسلم کو بھی بتادیا کہ رحمٰن لیاری سے نکلا۔

چوہدری اسلم اور پولیس کسی کی مدد کے ذریعے اُس مقام پر جا پہنچے جسے زیرو پوائنٹ کہتے ہیں۔ یہاں سے ایک راستہ گوادر کوسٹل ہائی وے اور دوسرا کوئٹہ کی سمت جاتا ہے۔ جہاں یہ راستہ انگریزی کے حرف وائی (Y) جیسی شکل اختیار کرتا ہے چوہدری اسلم اور پولیس کی بھاری نفری نے ایک سیاہ ٹویوٹا گاڑی میں رحمٰن اور اس کے ساتھیوں کو روکا۔

'ان سب کو نیشنل ہائی وے اسٹیل ٹاؤن لے جایا گیا اور نادرن بائی پاس، سپر ہائی وے سے ہوتے ہوئے یہ قافلہ لنک روڈ پہنچا۔ اور رحمٰن 'پولیس مقابلے میں تینوں ساتھیوں سمیت ہلاک ہوگیا۔'

10 اگست 2009 کو انگریزی اخباروں ڈان اور دی نیشن نے بتایا کہ کراچی پولیس کا کہنا ہے کہ رحمٰن ڈکیت اور اُن کے تین ساتھی پولیس سے جھڑپ میں مارے گئے۔ کراچی پولیس کے سربراہ وسیم احمد نے رحمٰن ڈکیت کی ہلاکت پولیس کی بہت بڑی کامیابی قرار دی۔

سندھ کے سابق گورنر ڈاکٹر عشرت العباد نے بھی مجھ سے گفتگو میں کہا کہ یہ ایک حقیقی پولیس مقابلہ تھا مگر اس سب کے باوجود اس پولیس مقابلے کو عدالت میں چیلنج کردیا گیا۔

(جاری ہے)

تحریر: شاہ ولی اللہ جنیدی

(قسط نمبر ۱)

کراچی سے کینیڈا تک
ایک نئے جہان کی جانب سفر

کچھ سفر محض ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنے کا نام نہیں ہوتے، بلکہ انسان کی سوچ، مشاہدے اور تجربات کے نئے دریچے وا کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی سفر زندگی کے افق کو وسیع کرتے اور انسان کو مختلف تہذیبوں، معاشروں اور ثقافتوں سے روشناس کراتے ہیں۔

جمعہ، 3 جولائی، علی الصبح جب گھڑی نے 3 بج کر 50 منٹ کا وقت بتایا تو میں اپنے عزیز دوست عمران احمد کے ہمراہ کراچی کے قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر موجود تھا۔ قطر ایئرویز کی پرواز QR-605 ہمیں دوحہ لے جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ امیگریشن اور دیگر کارروائیوں سے فراغت کے بعد جب جہاز نے رن وے پر رفتار پکڑی اور چند لمحوں بعد کراچی کی روشنیاں نیچے سمٹتی چلی گئیں تو دل میں خوشی، تجسس اور ایک انجانی دنیا کو قریب سے دیکھنے کی خواہش بیدار ہو چکی تھی۔

ہمارا پہلا پڑاؤ قطر کا جدید ترین حماد انٹرنیشنل ایئرپورٹ تھا، جہاں کراچی سے تقریباً دو گھنٹے کی پرواز کے بعد پہنچے۔ چار گھنٹے کے قیام کے دوران اس عالمی ہوائی اڈے کی شاندار طرزِ تعمیر، نظم و ضبط، جدید سہولتیں اور دنیا بھر سے آنے والے مسافروں کا ہجوم اس کی بین الاقوامی اہمیت کا عملی مظہر دکھائی دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دنیا کے مختلف رنگ ایک ہی چھت تلے جمع ہو گئے ہوں۔ بعدازاں گیٹ C9 سے ٹورنٹو جانے والی پرواز میں سوار ہوئے۔ اگرچہ روانگی مقررہ وقت سے کچھ تاخیر سے ہوئی، لیکن فضاؤں میں تیرہ گھنٹے کا طویل سفر خاموشی، انتظار اور مسلسل بدلتے ہوئے موسموں کا سفر بھی تھا۔ کبھی بادلوں کا سمندر نیچے دکھائی دیتا، کبھی سورج کی کرنیں فضاؤں کو سنہرا رنگ دیتیں اور کبھی نیچے برف سے ڈھکے بے آباد علاقے حیرت میں ڈال دیتے۔ بالآخر مقامی وقت کے مطابق سہ پہر 3 بج کر 14 منٹ پر جہاز نے ٹورنٹو پیئرسن انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے رن وے کو چھوا۔ اس لمحے یوں محسوس ہوا جیسے ایک طویل خواب حقیقت میں ڈھل گیا ہو۔ زمین تو نئی تھی، مگر احساس یہی تھا کہ اب ایک ایسے سفر کا آغاز ہونے جا رہا ہے جس میں ہر دن ایک نئی کہانی، ہر شہر ایک نیا باب اور ہر ملاقات ایک نیا تجربہ ثابت ہوگی۔ امیگریشن اور کسٹمز کی تمام کارروائیاں مکمل کر کے جب ہم ایئرپورٹ سے باہر نکلے تو ہمارے میزبان ڈاکٹر فاروق ماجی بھائی اپنے کزن سلیم بھائی کے ہمراہ پرتپاک استقبال کے لیے موجود تھے۔ دیارِ غیر میں اپنوں کے مسکراتے ہوئے چہرے مسافر کی تمام تھکن لمحوں میں دور کر دیتے ہیں۔ ہمیں بھی یہی خوشگوار احساس نصیب ہوا۔ محبت بھرے استقبال کے بعد تقریباً انیس کلومیٹر کا سفر طے کر کے ہم مسی ساگا میں واقع فاروق بھائی کی رہائش گاہ پہنچے، جہاں پرتکلف ضیافت اور مختصر آرام کے بعد ہماری کینیڈا میں پہلی شام کا آغاز ایک یادگار منظر سے ہوا۔ یہ ہزاروں میل کا سفر صرف ایک ملک تک پہنچنے کا نہیں تھا بلکہ ایک ایسے معاشرے کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی ابتدا تھی جسے دنیا قانون کی حکمرانی، امن، ترقی، کثیر الثقافتی ہم آہنگی اور اعلیٰ معیارِ زندگی کی مثال کے طور پر پیش کرتی ہے۔

کینیڈا کا نام قدیم ایروکوا (Iroquois) زبان کے لفظ "کاناٹا" (Kanata) سے ماخوذ ہے، جس کے معنی "گاؤں" یا "آبادی" کے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہی لفظ دنیا کے دوسرے بڑے ملک کی شناخت بن گیا۔

تقریباً 98.9 ملین مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا کینیڈا رقبے کے اعتبار سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک اور شمالی امریکہ کا شمالی ترین خطہ ہے۔ مشرق سے مغرب تک اس کی وسعت تقریباً ساڑھے سات ہزار کلومیٹر ہے، اسی لیے یہاں چھ مختلف ٹائم زون رائج ہیں۔ مشرق میں بحر اوقیانوس، مغرب میں بحر الکاہل اور شمال میں بحر منجمد شمالی اس کی سرحدوں کو چھوتے ہیں، جبکہ جنوب میں امریکہ کے ساتھ دنیا کی طویل ترین غیر فوجی سرحد قائم ہے۔ اسی جغرافیائی وسعت نے کینیڈا کو اس کا خوبصورت قومی شعار عطا کیا: "سمندر سے سمندر تک" (From Sea to Sea)۔

مورخین کے مطابق تقریباً چودہ ہزار برس قبل ایشیا سے آنے والے اولین باشندوں نے اس سرزمین کو اپنا مسکن بنایا۔ صدیوں تک یہی لوگ یہاں کے اصل وارث رہے، مگر سولہویں صدی میں فرانسیسی اور بعدازاں برطانوی آبادکاروں کی آمد نے تاریخ کا رخ بدل دیا۔ طویل سیاسی کشمکش کے بعد برطانیہ غالب آیا اور 1867ء میں چار صوبوں کے اتحاد سے جدید کینیڈا وجود میں آیا۔ سر جان اے میکڈونلڈ اس نئے وفاق کے پہلے وزیر اعظم بنے، جبکہ وقت کے ساتھ دیگر صوبے بھی اس اتحاد میں شامل ہوتے گئے۔ آج کینیڈا دس صوبوں اور تین علاقوں پر مشتمل ایک مضبوط وفاق ہے۔ اگرچہ 1982ء میں اسے مکمل آئینی خودمختاری حاصل ہوئی، تاہم آئینی بادشاہت کے نظام کے تحت برطانوی بادشاہ اب بھی ریاست کے رسمی سربراہ ہیں۔

آج کینیڈا کی آبادی چار کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس کا دارالحکومت اوٹاوا ہے، جبکہ ٹورنٹو، مونٹریال اور وینکوور دنیا کے ممتاز اور ترقی یافتہ شہروں میں شمار ہوتے ہیں۔ کیوبیک رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑا صوبہ ہے، جبکہ اونٹاریو سب سے زیادہ آبادی کا حامل ہے۔

قدرت نے اس سرزمین کو بے پناہ وسائل سے نوازا ہے۔ پٹرولیم، قدرتی گیس، معدنیات، سونا، زرعی پیداوار، جدید صنعت اور آٹوموبائل سازی کینیڈا کی معیشت کے مضبوط ستون ہیں۔ یہاں انگریزی اور فرانسیسی دونوں سرکاری زبانیں ہیں، مگر اس ملک کی اصل شناخت اس کا کثیر الثقافتی معاشرہ ہے، جہاں دنیا کے تقریباً ہر خطے سے آنے والے لوگ اپنی زبان، تہذیب اور روایات کو برقرار رکھتے ہوئے باہمی احترام اور قانون کی پاسداری کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

لیک اونٹاریو کی شام، مسی ساگا کی صبح اور اولڈ ٹورنٹو کی جانب سفر

فاروق بھائی ہمیں لیک اونٹاریو کے کنارے لے گئے۔ شام اپنے پورے حسن کے ساتھ ہماری منتظر تھی۔ نیلگوں پانی کی بے کراں وسعت، نرم و ملائم ٹھنڈی ہوائیں، کنارے پر چہل قدمی کرتے خاندان، سائیکلوں پر محوِ

سفر نوجوان، کھیلتے ہوئے بچے اور افق پر آہستہ آہستہ ڈوبتا سورج ایسا منظر پیش کر رہے تھے جیسے قدرت نے اپنے تمام رنگ ایک ہی کینوس پر سجا دیے ہوں۔ ہم نے اس دلکش منظر کے ساتھ چند یادگاری تصاویر بھی بنوائیں، مگر اس لمحے دل میں ایک خیال بھی ابھرا کہ ترقی یافتہ معاشروں کی اصل پہچان صرف فلک بوس عمارتیں، وسیع شاہراہیں یا جدید انفراسٹرکچر نہیں ہوتے، بلکہ وہ محفوظ، صاف ستھرے اور خوبصورت عوامی مقامات ہوتے ہیں جہاں ہر عمر اور ہر طبقے کا انسان بلاخوف وخطر سکون کے چند لمحے گزار سکے۔

رات گئے ہم کینیڈا کے معروف کافی ہاؤس ٹم ہارٹنز پہنچے۔ کافی کی خوشبو، خوشگوار ٹھنڈی ہوا اور پرسکون ماحول نے پہلی ہی رات دل پر ایسی خوشگوار یاد ثبت کر دی جو مدتوں فراموش نہ ہو سکے گی۔ اجنبی سرزمین پر یہ پہلا شبانہ وقفہ اپنے اندر ایک عجیب سی مانوسیت لیے ہوئے تھا۔

4 جولائی کی صبح ایک نئے احساس کے ساتھ طلوع ہوئی۔ ناشتے سے قبل جب گھر کے لان میں نکلا تو ہلکی ہلکی بارش برس رہی تھی۔ بارش کے ننھے قطرے سبز گھاس پر موتیوں کی مانند چمک رہے تھے۔ صاف وشفاف فضا، ٹھنڈی ہوا اور چاروں طرف پھیلی خاموشی فطرت کے حسن کو مزید دوبالا کر رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قدرت اپنے ہاتھوں سے ہر منظر کو نہایت سلیقے اور محبت سے ترتیب دے رہی ہو۔

کینیڈا کا موسم بھی اس کے وسیع جغرافیے کی طرح بے حد رنگا رنگ ہے۔ یہاں موسمِ گرما مختصر مگر نسبتاً گرم، جبکہ موسمِ سرما طویل، سخت سرد اور شدید برفباری سے بھرپور ہوتا ہے۔ بہار کی بارشیں زمین کو نئی زندگی عطا کرتی ہیں، گرمیوں کے طویل دن اور مختصر راتیں زندگی میں تازگی اور توانائی بھر دیتے ہیں، جبکہ خزاں میں سرخ، زرد اور سنہری پتوں سے سجے درخت قدرت کی ایسی شاہکار مصوری پیش کرتے ہیں جسے الفاظ میں مکمل طور پر بیان کرنا آسان نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کینیڈا کا ہر موسم اپنی الگ شناخت، دلکشی اور انفرادیت رکھتا ہے۔

طویل فضائی سفر کی تھکن اس قدر غالب تھی کہ رات بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند آ گئی تھی، اس لیے صبح تقریباً دس بجے آنکھ کھلی۔ تازہ دم ہونے کے بعد فاروق بھائی کے ساتھ مل کر ناشتہ تیار کیا۔ دودھ، دلیہ، انڈے، ڈبل روٹی اور سیب پر مشتمل یہ سادہ مگر صحت بخش ناشتہ دن کے خوشگوار آغاز کا سبب بنا۔ پردیس میں اپنوں کے ساتھ مل بیٹھ کر ناشتہ کرنا بھی ایک الگ لطف اور قلبی سکون کا احساس دلاتا ہے۔

ناشتے کے بعد فاروق بھائی ہمیں مسی ساگا کے مختلف تجارتی مراکز کی سیر کے لیے لے گئے۔ جدید طرزِ تعمیر سے آراستہ وسیع شاپنگ مالز، عالمی شہرت یافتہ برانڈز کے آؤٹ لیٹس، منظم بازار، کشادہ پارکنگ ایریاز اور خریداروں کی پررونق چہل پہل اس شہر کی مضبوط معاشی سرگرمیوں کی واضح تصویر پیش کر رہے تھے۔ ہر چیز میں ترتیب، صفائی اور نظم وضبط نمایاں تھا۔ کچھ دیر سیر وسیاحت کے بعد ہم واپس گھر آ گئے۔

دوپہر کے کھانے میں فاروق بھائی نے محبت سے آلو گوبھی کا سالن اور پاکستان سے اپنے ساتھ لائی ہوئی چکن کڑاہی گرم کر کے دسترخوان سجایا۔ پردیس میں وطن کے ذائقے صرف بھوک ہی نہیں مٹاتے بلکہ دل کو بھی وطن کی یادوں سے بھر دیتے ہیں۔ سب نے مل بیٹھ کر کھانا کھایا اور بعد ازاں نمازِ ظہر قصر ادا کی۔ یہ لمحات اس احساس کو مزید گہرا کر رہے تھے کہ دنیا کے کسی بھی کونے میں انسان اپنوں کے ساتھ ہو تو اجنبیت بہت حد تک ختم ہو جاتی ہے۔

اسی دوران فاروق ماجی بھائی کے کزن سلیم بھائی بھی تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ ایک بار پھر شہر کی سیر کے لیے روانگی ہوئی۔ مختلف شاہراہوں سے گزرتے ہوئے ہم ایک بڑے صنعتی علاقے میں پہنچے، جہاں وسیع وعریض ویئر ہاؤسز، جدید صنعتی مراکز اور منظم لاجسٹک نظام کینیڈا کی مضبوط تجارتی اور صنعتی معیشت کا عملی منظر پیش کر رہے تھے۔ سلیم بھائی مختصر ملاقات کے لیے اندر چلے گئے جبکہ ہم گاڑی میں بیٹھے اردگرد کے منظم ماحول، صاف ستھری سڑکوں اور صنعتی سرگرمیوں کا خاموشی سے مشاہدہ کرتے رہے۔

اسی دوران ہمارے ہم سفر عمران بھائی بھی اس خوبصورت سفر کے ہر یادگار لمحے کو اپنے کیمرے میں محفوظ کرنے میں مصروف رہے۔ گاڑی کی کھڑکی سے نظر آنے والی بلند وبالا عمارتیں، خوبصورت پل، جدید تعمیرات، تاریخی عمارات اور شہر کے مختلف لینڈ مارکس ان کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔ وہ مسلسل تصاویر بناتے رہے تاکہ سفر کے یہ حسین مناظر صرف یادوں ہی میں نہیں بلکہ تصویروں کی صورت میں بھی ہمیشہ زندہ رہیں۔ بسا اوقات ایک تصویر وہ کہانی بیان کر دیتی ہے جسے الفاظ بھی مکمل طور پر ادا نہیں کر سکتے۔

کچھ دیر بعد سفر دوبارہ شروع ہوا اور اس مرتبہ ہماری منزل تھی اولڈ ٹورنٹو، جسے کینیڈا کی تاریخ، تہذیب اور ثقافت کا دل کہا جاتا ہے۔ فاروق بھائی اور سلیم بھائی ہمیں اس تاریخی علاقے کی سیر کرانے لے جا رہے تھے۔ جیسے جیسے ہم جدید شاہراہوں سے نکل کر قدیم شہر کی حدود میں داخل ہوتے گئے، شہر کی فضا، طرزِ تعمیر اور ماحول میں ایک واضح تبدیلی محسوس ہونے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے جدید کینیڈا سے نکل کر تاریخ کی کسی پُرسکون گزرگاہ میں داخل ہو گئے ہوں۔

اولڈ ٹورنٹو کی بنیاد اٹھارہویں صدی کے آخری عشرے، یعنی 1790ء کی دہائی میں رکھی گئی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے جدید ٹورنٹو کی ترقی کا سفر شروع ہوا۔ آج بھی اس علاقے کی تاریخی عمارتیں، پتھروں سے بنی گلیاں، قدیم گرجا گھر، محفوظ ورثہ اور کلاسیکی طرزِ تعمیر کینیڈا کے ماضی کی روشن داستان سناتے ہیں، جبکہ ان ہی بنیادوں پر کھڑا جدید ٹورنٹو ایک ترقی یافتہ، متحرک اور عالمی شہر کی صورت میں دنیا کے سامنے اپنی الگ شناخت رکھتا ہے۔

اولڈ ٹورنٹو کی سیر کے دوران بار بار یہ احساس ابھرتا رہا کہ ترقی یافتہ قومیں اپنی تاریخ کو بوجھ نہیں سمجھتیں، نہ ہی اسے وقت کی گرد میں گم ہونے دیتی ہیں، بلکہ اسے اپنی تہذیبی شناخت کا سرمایہ بنا کر نہ صرف محفوظ رکھتی ہیں بلکہ آنے والی نسلوں تک فخر کے ساتھ منتقل بھی کرتی ہیں۔ شاید یہی وہ شعور ہے جو کسی بھی قوم کو اس کے ماضی سے جوڑتے ہوئے مستقبل کی مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے۔

(جاری ہے)

چنیوٹ میں لوہے اور تانبے کے ذخائر، 'ایک ارب ڈالر' کی سٹیل مل کا منصوبہ اور مقامی آبادی کے خدشات

'سرکاری لوگ آئے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ آپ کا کتنا رقبہ ہے، گھر میں کتنے کمرے ہیں۔ یہ گھر کس کے نام پر ہے، یہاں کتنے لوگ رہتے ہیں۔'

یہ کہنا ہے کہ پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر چنیوٹ کے علاقے حکیم کالونی کے رہائشی قاسم جبہ کا جنھیں اپنے اس چار مرلے کے گھر سے محروم ہونے کا خدشہ ہے جہاں وہ 20 سال سے مقیم ہیں۔

چنیوٹ کے اس علاقے کے باقی رہائشی بھی ان دنوں ایسی ہی تشویش میں مبتلا ہیں جس کی وجہ مقامی انتظامیہ کے اہلکاروں کی جانب سے ان علاقوں میں کیا جانے والا حالیہ سروے اور علاقے کے رہائشیوں سے ملکیت سے متعلق سوالات ہیں جس کی تصدیق متعدد افراد نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کی ہے۔ قاسم جبہ کا کہنا تھا کہ جب انھوں نے گھر آنے والے سرکاری اہلکاروں سے پوچھا کہ وہ یہ معلومات کیوں لے رہے ہیں تو 'اُنھوں نے بتایا کہ اس علاقے میں سٹیل مل بننی ہے جس کے لیے سروے کیا جا رہا ہے۔'

یہ پہلا موقع نہیں ہے کہ جب چنیوٹ میں سٹیل مل لگانے کی بات سامنے آئی ہو۔ سنہ 2015 میں اُس وقت مسلم لیگ ن کی حکومت نے چنیوٹ میں لوہے اور تانبے کے ذخائر دریافت ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس کے بعد اُس وقت کے وزیرِ اعظم نواز شریف نے سائنسدان ڈاکٹر ثمر مبارک مند اور دیگر حکام کے ہمراہ چنیوٹ کے علاقے رجوعہ کا دورہ کیا اور یہاں سرمایہ کاری کی دعوت دی گئی تھی۔

حالیہ چند روز سے اس علاقے میں سروے کا کام تیزی سے جاری ہے اور مقامی انتظامیہ کے لوگ گھر گھر جا کر لوگوں سے اُن کی اراضی اور مکانات سے متعلق تفصیلات جمع کر رہے ہیں۔

اس منصوبے پر کام کرنے والی پنجاب منرل کمپنی (پی ایم سی) کے ایک افسر نے سٹیل مل کے لیے سروے کی تصدیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حوالے سے مقامی لوگوں کے تحفظات دُور کیے جائیں گے۔

یہ سروے کیوں کیا جا رہا ہے اور کون کون سے علاقے متاثر ہو سکتے ہیں؟ سٹیل مل کا یہ منصوبہ ہے کیا اور مقامی لوگوں کو اس سے کیا تحفظات ہیں، بی بی سی نے اس بارے میں مقامی افراد اور حکام سے بات کی ہے۔ مقامی رہائشی اورنگزیب ملک ایڈووکیٹ کہتے ہیں کہ ویسے تو اس علاقے میں ابتدائی طور پر کھدائی سنہ 2009 میں ہوئی تھی، لیکن 2015 میں اُس وقت کے وزیرِ اعظم نواز شریف اور وزیرِ اعلی پنجاب شہباز شریف نے یہاں کا دورہ کیا اور یہاں لوہے اور تانبے کے ذخائر دریافت ہونے کی نوید سنائی۔

بی بی سی نیوز اُردو سے گفتگو کرتے ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ پہلے تو یہ کام سست روی کا شکار تھا لیکن گذشتہ برس اسسٹنٹ کمشنر چنیوٹ نے لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی سیکشن چار کے تحت 108 ایکڑ زمین حاصل کرنے کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔ ان کے بقول حاصل کی گئی زمین میں کوئی زیادہ آبادی نہیں تھی بلکہ صرف کچے مکانات اور زرعی اراضی تھی۔

'اُس حد تک تو ٹھیک تھا کہ وہاں ڈرلنگ کر لی جاتی، کسی کو اعتراض نہیں تھا۔ لیکن چند روز قبل ایک نیا مجوزہ نقشہ آیا ہے جہاں سروے کیا جا رہا ہے۔'

اُن کا کہنا تھا کہ سیکریٹری معدنیات رواں برس اپریل میں چنیوٹ آئے تھے اور اُنھوں نے مجوزہ سٹیل مل منصوبے پر کام تیز کرنے اور اراضی کے حصول میں پیش رفت کا جائزہ لیا تھا۔ اس حوالے سے جاری سرکاری اعلامیے میں کہا گیا تھا کہ ڈپٹی کمشنر عائشہ رضوان کے ہمراہ، سیکریٹری معدنیات نے ضلعی حکام کے ساتھ ایک اعلیٰ سطح اجلاس کی صدارت کی اور منصوبے کے لیے مجوزہ مقامات کا تفصیلی معائنہ کیا۔

حکام نے وفد کو اس اقدام کے اہم پہلوؤں کے بارے میں بریفنگ دی، جن میں لوہے کے ذخائر کا حجم، کان کنی کے مجوزہ طریقے، پروسیسنگ کی سہولیات کا قیام اور منصوبے کے لیے درکار اراضی شامل تھے۔ اس منصوبے کو صوبے کے صنعتی مستقبل کے لیے انتہائی اہم قرار دیتے ہوئے، سیکریٹری نے حکام کو ہدایت کی کہ اراضی کے حصول کا عمل شفاف اور تیز رفتار طریقے سے مکمل کیا جائے۔ اورنگزیب ملک ایڈووکیٹ کا دعویٰ ہے کہ مجوزہ زمین، جسے حاصل کرنے کی بات کی جا رہی ہے، اس میں سات ہزار گھر ہیں جس میں 12 سکول، 15 مساجد، امام بارگاہیں اور چار قبرستان ہیں۔

اُن کے بقول ان علاقوں میں ٹھٹہ موچیاں، حکیم کالونی، شاہ نواز کالونی، پیر خان شاہ بخاری، محلہ چاہ جہانگیری، جنازہ گاہ روڈ، جھنگ روڈ اور محلہ نوروالا کے علاقے شامل ہیں۔

اُن کا کہنا تھا کہ لوگوں کے لیے اپنی جگہ چھوڑنا اور کسی اور جگہ منتقل ہونا بہت مشکل ہے۔ 'یہ چنیوٹ شہر کی کچی آبادی ہے، زیادہ تر یہاں پر غریب لوگ ہیں اور اس کی تقریباً آبادی 50 ہزار ہے۔' اُن کے بقول لوگوں کا مطالبہ ہے کہ اگر سٹیل مل لگانی ہی ہے تو آبادی سے دُور زرعی علاقہ شامل کیا جائے تا کہ لوگوں کو مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

'چنیوٹ آئرن اور ریسورس پراجیکٹ' ہے کیا؟

پنجاب منرل کمپنی (پی ایم سی) کے مطابق چنیوٹ آئرن اور ریسورس پراجیکٹ (چنیوٹ میں لوہے کی دھات کے ذخائر کا منصوبہ) جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کر کے لوہے کے ذخائر کا بہترین استعمال کرنا ہے۔

منصوبے کے تحت چنیوٹ میں پاکستان کے پہلے مربوط 'آئرن اور' (iron ore) کان کنی، پروسیسنگ اور سٹیل ملز کمپلیکس کو تشکیل دینے پر کام ہو رہا ہے۔ پی ایم سی کے مطابق اس منصوبے میں لوہے کے ذخائر کا تخمینہ لگانا، ان کی پروسیسنگ اور سٹیل بنانے کے لیے بزنس ماڈل کے لیے بین الاقوامی ماہرین کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔

پنجاب منرل کمپنی (پی ایم سی) سے منسلک ماہرِ ارضیات حیدر نیاز کہتے ہیں کہ چنیوٹ کے علاقے میں 26 کروڑ ٹن لوہے جبکہ 90 لاکھ ٹن تانبے کے ذخائر ہیں۔ بی بی سی نیوز اُردو سے گفتگو کرتے ہوئے اُن کا کہنا تھا کہ اس منصوبے کا ابتدائی تخمینہ ایک ارب ڈالر سے زائد لگایا ہے جس میں اس علاقے سے نکالے جانے والے لوہے کو یہاں لگائی جانے والی سٹیل مل کے ذریعے پروسیس کیا جائے گا۔

حیدر نیاز کے مطابق اس منصوبے سے تقریباً 40 سال تک لوہے کی پیداوار ہوتی رہے گی جس سے نہ صرف روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے بلکہ پاکستان لوہے کی پیداوار میں خودکفیل ہو جائے گا۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہاں 2015 میں یہ ذخائر دریافت ہوئے تھے جس کے بعد حکومت نے یہاں کھدائی کا کام شروع کرنے اور سٹیل مل لگانے کا منصوبہ بنایا تھا۔ حیدر نیاز کے مطابق دریافت کے بعد اس وقت 'ہم فزیبلٹی کے مرحلے پر ہیں اور اس سے پہلے وسائل کا تخمینہ لگایا جا چکا ہے۔' اُن کا کہنا تھا کہ فزیبلٹی سٹڈی کے لیے عالمی ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی گئی ہیں اور غیر ملکی سرمایہ کاروں سے بھی رُجوع کیا جا رہا ہے۔

حیدر نیاز کا کہنا تھا کہ فزیبلٹی مکمل ہونے کے بعد ہم کان کنی اور پروسیسنگ کے لیے سٹیل مل سمیت دیگر آپشنز کی طرف جائیں گے۔

'منصوبہ آگے بڑھا تو لوگوں کو کہیں اور منتقل کرنا پڑے گا'

حیدر نیاز کا کہنا تھا کہ 'اس منصوبے کے لیے 107 ایکڑ اراضی حاصل کر لی گئی ہے اور اگر ہم سٹیل مل کی طرف جاتے ہیں تو پھر ہمیں 600 ایکڑ زمین مزید درکار ہو گی اور کان کنی کے لیے بھی 100 ایکڑ اضافی زمین کی ضرورت پڑے گی۔' پی ایم سی سے منسلک ماہرِ ارضیات یہ تسلیم کرتے ہیں کہ 'گذشتہ برس جو 107 ایکڑ اراضی حاصل کی گئی اس میں زیادہ تر زرعی رقبہ تھا، لیکن اب دوسرے مرحلے میں جو اراضی حاصل کرنا ہو گی، اس میں آبادی والے علاقے بھی شامل ہیں اور اس کے لیے لوگوں کو کہیں اور منتقل کرنا پڑے گا۔' اُن کا کہنا تھا کہ ابھی فزیبلٹی کے مرحلے پر لوگوں سے تفصیلات حاصل کی جا رہی ہیں اور یہ علاقہ ایک ہزار ایکڑ پر مشتمل ہے۔

لوگوں کے تحفظات سے متعلق اُن کا کہنا تھا کہ جو بھی سرمایہ کار ہو گا یہ اُس کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ ماحولیاتی معاملات اور آبادی کے تحفظات دُور کرتے ہوئے ری لوکیشن پلان بنائے۔ اُن کا کہنا تھا کہ اس معاملے میں لوگوں کے تحفظات دُور کیے جائیں گے۔ اورنگزیب ملک ایڈووکیٹ کہتے ہیں کہ مقامی آبادی کے خدشات پر اُنھوں نے ڈپٹی کمشنر سمیت دیگر حکام سے ملاقاتیں کی ہیں، جنھوں نے لوگوں کے تحفظات دُور کرنے کی یقین دہانی کروائی ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ اگر حکومت نے سٹیل مل لگانی ہی ہے تو چنیوٹ میں بہت زرعی رقبہ موجود ہے، حکومت مقامی آبادی کو متاثر کیے بغیر وہاں یہ منصوبہ لگا سکتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان علاقوں میں زمین کی قیمت ساڑھے چھ لاکھ روپے مرلہ تک ہے اور اگر حکومت یہ زمین حاصل بھی کرنا چاہتی ہے تو اسے لوگوں کو پورا معاوضہ دینا چاہیے۔ قاسم جبہ کہتے ہیں وہ پہلے ہی غریب ہیں اور اُن کا گھر دو کمروں پر مشتمل ہے، ایک چھوٹی سی بیٹھک اور غسل خانہ ہے اور اُن سمیت ایسے چھوٹے گھرانوں کے افراد پریشان ہیں کہ 'اگر حکومت نے یہ جگہ لے لی تو پھر یہ لوگ کہاں جائیں گے۔'

سستی ایئرلائنز کو بچانے کا منصوبہ:

بغیر بیت الخلا کے جہاز اور کھڑے ہو کر جانے والے مسافروں کے لیے الگ کیبن

سستا ہوائی سفر فراہم کرنے والی فضائی کمپنیاں اپنی تاریخ کے سب سے مشکل دور سے گزر رہی ہیں، ایک ایسا بحران جسے بعض ماہرین کورونا وبا کے دوران درپیش مشکلات سے بھی زیادہ سنگین قرار دیتے ہیں۔

سستا ہوائی سفر فراہم کرنے والی انڈسٹری کو ایک دھچکہ رواں برس مئی میں اس وقت لگا جب امریکی ایئرلائن سپرٹ گذشتہ 25 برسوں میں ختم ہونے والی ملک کی پہلی بڑی فضائی کمپنی بن گئی۔

ماہرین کا اتفاق ہے کہ تیل کی موجودہ قیمتوں کے سبب مزید کئی کمپنیاں بھی ایسی ہی صورتحال کا سامنا کر سکتی ہیں۔

بریگزٹ کے بعد اپنا ہیڈ کوارٹر آسٹریا منتقل کرنے والی برطانوی فضائی کمپنی ایزی جیٹ کو ایک امریکی سرمایہ کاری فنڈ کی جانب سے ممکنہ خریداری کا سامنا ہے۔ یہ فنڈ مالی مشکلات کا شکار ایئر لائنز کے حصول میں مہارت رکھتا ہے، حالانکہ یورپی کمیشن کا کہنا ہے کہ ایزی جیٹ کا کنٹرول صرف یورپی شہریوں کے پاس ہی رہ سکتا ہے۔ ملائیشیا کی فضائی کمپنی ایئر ایشیا کے بانی ٹونی فرنینڈس نے بی بی سی ورلڈ سروس کے پروگرام بزنس ڈیلی کو بتایا 'کووڈ ایشیا میں ہمارے لیے تباہ کن ثابت ہوا اور مجھے تقریباً 10 ارب امریکی ڈالر کی آمدنی کا نقصان ہوا۔'

انہوں نے کہا: 'وبا کے پھیلاؤ کے دوران لوگ پرواز کرنے کی توقع نہیں رکھ رہے تھے، لیکن اب وہ ایسا چاہتے ہیں۔ اور ہمارے قرض دہندگان اب اپنی رقوم کی واپسی چاہتے ہیں۔ ہر شخص حالات کو ایسے دیکھ رہا ہے جیسے یہ معمول کا وقت ہو، اس لیے موجودہ صورتحال کچھ زیادہ مشکل ہے۔' اپنے کاروباری ماڈل کی وجہ سے یہ فضائی کمپنیاں اپنے آپریٹنگ اخراجات میں ہونے والے کسی بھی اضافے کے لیے خاص طور پر حساس ہوتی ہیں۔ ایران کے تنازع کے دوران آبنائے ہرمز کی بندش کے باعث ایندھن کی قیمتوں میں ہونے والے اضافے نے ان کے منافع کو تقریباً مکمل طور پر ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ ڈبلن یونیورسٹی میں ایوی ایشن مینجمنٹ کی پروفیسر مارینا افتھیمیو نے بزنس ڈیلی کو بتایا کہ 'حتیٰ کہ آئی اے ٹی اے (انٹرنیشنل ایئر ٹرانسپورٹ ایسوسی ایشن) نے بھی کہا ہے کہ سپرٹ کے دیوالیہ ہونے کی اہم وجوہات میں سے ایک ایران کی جنگ تھی۔'

یہ صورتحال متعدد سوالات کو جنم دیتی ہے: کم لاگت والی فضائی کمپنیاں اتنے مسائل کا شکار کیوں ہیں؟ جنگ کے اثرات ان پر روایتی فضائی کمپنیوں کے مقابلے میں زیادہ کیوں پڑ رہے ہیں؟

اور شاید ہم سب کے لیے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ ان مشکلات کا مجموعی طور پر ہوائی سفر کے کرایوں پر کیا اثر پڑے گا؟

زیادہ مسافر، کم سہولیات

سستا ہوائی سفر فراہم کرنے والی فضائی کمپنیوں کی تاریخ کا آغاز 1977 میں لیکر ایئرویز کی سکائی ٹرین سروس سے ہوا، جس نے لندن اور نیویارک کے درمیان روایتی فضائی کمپنیوں جیسے پین ایم اور ٹی ڈبلیو اے کے مقابلے میں تقریباً ایک تہائی قیمت پر سفر کی سہولت فراہم کی۔

اگرچہ یہ کمپنی 1982 میں دیوالیہ ہو گئی، تاہم اس نے ایک ایسا کاروباری ماڈل متعارف کرایا جسے بعد میں بہت سی دیگر کمپنیوں نے اختیار کیا: یعنی روایتی فضائی کمپنیوں کی جانب سے فراہم کی جانے والی اضافی سہولیات کو ختم کرنا۔ بزنس ڈیلی کے میزبان رائل ٹنڈن کہتے ہیں کہ 'ان ایئر لائنز میں نہ مفت کوکا کولا ملتی تھی اور ٹانگیں پھیلانے کے لیے زیادہ جگہ بھی نہیں ہوتی تھی۔'

'خیال یہ تھا کہ آپ کو آپ کی منزل تک پہنچایا جائے، اس اصول کے تحت کہ اصل اہمیت صرف وہاں پہنچنے کی ہے، اور وہ بھی جتنا ممکن ہو کم خرچ میں۔' رائل ٹنڈن کے بقول کے مطابق ایک طرح سے یہ 'فضائی سفر کو عام لوگوں کی دسترس میں لانے' کا عمل تھا۔ یہ ماڈل اتنا مؤثر اور مقبول ثابت ہوا کہ پوری دنیا میں پھیل گیا اور یورپ میں رائن ایئر اور ایزی جیٹ، امریکہ میں ساؤتھ ویسٹ ایئر لائنز، جیٹ بلو اور سپرٹ، جبکہ لاطینی امریکہ میں

وولاریس، جیٹ اسمارٹ اور سکائی ایئر لائن جیسی معروف کمپنیاں اسی طرز پر قائم ہوئیں۔ تاہم اپنی فطرت کے اعتبار سے کم لاگت والی فضائی کمپنیاں عالمی حالات و واقعات کے اثرات کے مقابلے میں کہیں زیادہ حساس ثابت ہوئیں۔ کورونا کی وبا نے بہت سی فضائی کمپنیوں کو انتہائی نازک صورتحال سے دوچار کر دیا تھا اور ایندھن کی قیمتوں میں حالیہ اضافہ بعض کمپنیوں کے لیے آخری کاری ضرب ثابت ہو رہا ہے۔

پروفیسر افتھیمیو کے مطابق 'منافع کا مارجن مسلسل کم ہو رہا ہے، خاص طور پر کم لاگت والی فضائی کمپنیوں کے لیے، جن کا ڈھانچہ اور آپریشن پہلے ہی بہت محدود اخراجات پر مبنی ہوتا ہے۔ انہوں نے مختلف اقسام کے اخراجات کو پہلے ہی ممکنہ حد تک کم کر رکھا ہے۔' انہوں نے مزید کہا 'چونکہ ایندھن کی بڑھتی ہوئی قیمتیں ایک بار پھر ان کے آپریٹنگ اخراجات کا بڑا حصہ بن گئی ہیں، اس لیے قیمت کے حوالے سے حساس صارفین سے واسطہ پڑنے پر ان کے لیے اس اضافی خرچ کو کرایوں میں منتقل کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔'

یہ بات خاص طور پر ان فضائی کمپنیوں کے لیے درست ہے، جو بڑی ایئر لائنز کی طرح فیوچر معاہدوں کے ذریعے ایندھن کی قیمتیں پہلے سے طے کرنے میں کامیاب نہیں ہوئیں۔

بزنس ڈیلی کے شریک میزبان ول بینر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا 'یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں آپ ایندھن کی قیمت بہت پہلے ادا کر دیتے ہیں۔' وہ مزید کہتے ہیں کہ 'ممکن ہے آپ کو مارکیٹ میں دستیاب سب سے بہترین معاہدہ نہ ملے، لیکن آپ ایک یقینی اور مقررہ قیمت حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لیے اگر قیمتیں کم بھی ہو جائیں تو آپ تیل کی سستی قیمتوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے، تاہم آپ کو ایک طے شدہ قیمت کا اطمینان حاصل رہے گا۔'

'رائن ایئر کے چیف ایگزیکٹو مائیکل اولیری نے اس ہفتے کمپنی کے مالی نتائج پیش کرتے ہوئے کہا کہ 2027 کے پورے سال کے لیے انہوں نے اپنے ایندھن کے اخراجات کا 80 فیصد حصہ فی بیرل 67 امریکی ڈالر کی قیمت پر محفوظ کر لیا ہے۔'

'یہ قیمت تیل کی موجودہ قیمت کے مقابلے میں نمایاں طور پر کم ہے اور زیادہ تر ایران کے تنازع سے قبل کی سطح کے قریب ہے۔'

سستے ہوائی سفر کا مستقبل

اس پس منظر میں اور ایسے وقت میں جب مسافر کرایوں میں اضافے کے حوالے سے حساس ہیں، کئی فضائی کمپنیاں مسابقت برقرار رکھنے کے لیے متبادل راستوں پر غور کر رہی ہیں۔

رائن ایئر کے چیف ایگزیکٹو مائیکل اولیری نے اس حوالے سے کچھ تصورات پیش کیے ہیں کہ مستقبل میں انتہائی کم لاگت والی فضائی کمپنیاں کیسی دکھائی دے سکتی ہیں، حتیٰ کہ بیت الخلا جیسی بنیادی سہولتوں کو بھی ختم کر کے۔ اولیری نے آئرش نشریاتی ادارے آر ٹی ای کو بتایا 'ہمارے طیاروں میں تین بیت الخلا ہیں۔'

'اگر میں طیاروں کے پچھلے حصے میں موجود دو بیت الخلا ہٹا دوں تو میں چھ اضافی نشستیں لگا سکتا ہوں۔ ان چھ اضافی نشستوں کی بدولت میں پورے سال کے دوران ہر مسافر کے لیے ہوائی کرایہ مزید 5 فیصد کم کر سکتا ہوں۔'

'اگر آپ آخری 10 قطاروں کی نشستیں ہٹا دیں تو ہمارے پاس ایک کیبن کھڑے ہو کر سفر کرنے والے مسافروں کے لیے اور دوسرا بیٹھنے والے مسافروں کے لیے ہوگا۔ بیٹھنے والے مسافروں کے لیے کرایہ 27 امریکی ڈالر اور کھڑے ہو کر سفر کرنے کی جگہ کے لیے صرف ایک امریکی ڈالر ہوگا۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ ہم سب سے پہلے کھڑے ہونے والی جگہ بھر لیں گے۔'

دولتِ مشترکہ کھیلوں میں نویں پوزیشن پر اولمپک چیمپیئن پر تنقید

یہ اگست کا ہی مہینہ تھا، جب پاکستان کے لیے پیرس میں اولمپک گولڈ میڈل جیت کر تاریخ رقم کرنے والے ارشد ندیم کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ وزیرِ اعظم پاکستان سمیت ہر کوئی میاں چنوں کے اس نوجوان کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا۔

لیکن دو سال بعد سب کچھ جیسے بدل سا گیا ہے۔ پیرس اولمپکس میں 92.97 دُور نیزہ پھینک کر اولمپک ریکارڈ قائم کرنے والے ارشد ندیم گلاسکو میں جاری دولت مشترکہ کھیلوں میں نویں پوزیشن ہی حاصل کر سکے ہیں۔

اولمپک چیمپیئن ارشد ندیم پر زیادہ تنقید اس بات پر ہو رہی ہے کہ وہ جمعے کی شب گلاسگو میں جیولین تھرو فائنل میں 80 میٹر کی تھرو کرنے میں بھی ناکام رہے۔

جیولن فائنل کے دوران پہلے راؤنڈ میں ارشد ندیم سے فاؤل ہوا جبکہ دوسرے راؤنڈز میں ان کی سب سے طویل تھرو 41.77 میٹر کی تھی۔ تیسرے راؤنڈ میں وہ محض 39.75 میٹر طویل تھرو پھینک سکے۔ اس کے باعث وہ چوتھے راؤنڈ کے لیے آخری آٹھ ایتھلیٹس میں کوالیفائی نہ کر سکے۔

فائنل میں سری لنکا کے رمیش پتھیراگے نے 89.75 میٹر کی سب سے طویل تھرو پھینک کر طلائی تمغہ جیتا۔ انڈیا کے نیرج چوپڑا نے 85.83 میٹر کی تھرو کے ساتھ چاندی کا تمغہ جبکہ انڈیا کے ہی یش ویر سنگھ نے 85.41 میٹر کی تھرو کے ساتھ کانسی کا تمغہ جیتا ہے۔

'یہ اولمپک چیمپیئن کا ڈاؤن فال ہے'

پاکستان میں بہت سے سوشل میڈیا صارفین جہاں ارشد ندیم کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں تو وہیں بعض کا خیال ہے کہ انجری اور مناسب ٹریننگ نہ ملنے سے وہ گولڈ میڈل جیتنے میں ناکام رہے۔

حمزہ خان نامی صارف نے ایکس پر لکھا کہ ارشد ندیم کے ڈاؤن فال سے دل ٹوٹ سا گیا ہے۔ وہ 80 میٹر کی تھرو بھی نہیں کر سکے۔ حالانکہ اُن کی بہترین تھرو 92.97 ہے۔

واضح رہے کہ دولت مشترکہ کھیلوں میں بھی ارشد ندیم اپنے ٹائٹل کا دفاع کر رہے تھے۔ سنہ 2022 میں برمنگھم میں ہونے والے کامن ویلتھ گیمز میں اُنھوں نے 90.18 میٹر دُور نیزہ پھینک کر طلائی تمغہ حاصل کیا تھا۔

سپورٹس جرنلسٹ فیضان لکھانی نے ایکس پر لکھا کہ 'ارشد آپ نے اپنا کیا حال کر لیا ہے۔'

اس پر ریحان علوی نامی صارف نے لکھا کہ ارشد ندیم اپنے زوال کے خود ذمے دار ہیں۔ اُن کے پاس اتنے وسائل تھے کہ وہ یورپ میں ٹریننگ کرتے۔ 'ہمارے ہاں ہر کھیل میں یہ مسئلہ ہے۔ جیسے ہی پیسہ اور شہرت ملتی ہے یہ راستہ بھٹک جاتے ہیں۔'

منیب فرخ نامی صارف نے ایکس پر ارشد ندیم کا دفاع کرتے ہوئے لکھا کہ اولمپک چیمپیئن کو عالمی معیار کا کوچ، معاون عملہ، سپورٹس سائنس، فزیوتھیراپی اور دیگر سہولیات ملنی چاہییں۔ اس کے برعکس ارشد کو انجریز کا سامنا کرنا پڑا، وہ پنجاب سٹیڈیم کے ناقص ٹریک پر تربیت کرنے پر مجبور ہوئے۔

سپورٹس جرنلسٹ سہیل عمران نے لکھا کہ سب بڑی آسانی سے کہہ رہے ہیں ارشد ندیم نے محنت نہیں کی، ٹریننگ چھوڑ دی، زیادہ تر کو تو یہ بھی نہیں پتہ قومی ہیرو ٹریننگ کہاں کرتا ہے، ناکامی کے بعد سب تجزیہ کار ارسطو بن گئے ہیں۔ خامی یقینی طور پر رہی ہو گی لیکن کروڑوں انعامات لینے کے بعد ٹریننگ نہ کرنے کا الزام لگانا درست نہیں۔

خیال رہے کہ ارشد ندیم 2022 کے برمنگھم کامن ویلتھ گیمز میں 18.90 میٹر کی تھرو کے ساتھ طلائی تمغہ جیتا تھا جو کہ نہ صرف ایک نیا قومی بلکہ کامن ویلتھ گیمز کا بھی ریکارڈ تھا۔ اس تھرو کے بعد وہ مردوں کے جیولن تھرو میں 90 میٹر کا فاصلہ عبور کرنے والے پہلے جنوبی ایشیائی ایتھلیٹ بنے تھے۔ اس سے قبل گلاسگو میں ارشد ندیم نے ساتویں پوزیشن کے ساتھ جیولن تھرو کے فائنل کے لیے کوالیفائی کیا تھا۔

جمعرات کو جیولن تھرو کے کوالیفائنگ راؤنڈ میں کوئی بھی ایتھلیٹ ڈائریکٹ کوالیفیکیشن کے لیے درکار 84 میٹر کی تھرو نہ کر سکا تاہم بہترین تھرو کی بنیاد پر 12 کھلاڑی فائنل میں پہنچنے میں کامیاب رہے۔

ان 12 ایتھلیٹس میں ارشد ندیم کا نمبر ساتواں تھا جو انھیں 78.63 میٹر کی تھرو کی بدولت حاصل ہوا۔

سری لنکا کے رمیش تھرنگا 84.82 میٹر کی تھرو کے ساتھ سرفہرست رہے جبکہ گرینا ڈا کے اینڈرسن پیٹرز نے 81.29 میٹر کے ساتھ دوسرے اور جنوبی افریقہ کے ڈوسمٹ 80.64 میٹر کے ساتھ تیسرے نمبر پر رہے۔

انڈیا کے نیرج چوپڑا نے 79.61 میٹر دور نیزہ پھینکا جبکہ ان کے دو اور انڈین ساتھی روہت یادو اور یشویر سنگھ بھی فائنل کے لیے کوالیفائی کرنے میں کامیاب رہے۔ روہت یادو نے جون میں نیشنل انٹر سیپٹ سینیئر ایتھلیٹکس چیمپیئن شپ میں 87.05 میٹر کی تھرو کی تھی۔

ابتدائی مقابلے میں شامل دوسرے پاکستانی ایتھلیٹ یاسر سلطان 74.36 میٹر کی بہترین تھرو کے ساتھ 14 ویں نمبر پر رہے اور فائنل میں جگہ نہیں بنا سکے۔

29 سالہ ارشد ندیم کی حالیہ کارکردگی زیادہ متاثر کن نہیں رہی ہے اور اولمپک چیمپیئن حال ہی میں سوئٹزرلینڈ میں منعقدہ لوسرن انٹرنیشنل میٹ میں 80 میٹر کی حد بھی عبور کرنے میں ناکام رہے تھے۔

اس ایونٹ میں ارشد ندیم 78.47 ہی نیزہ پھینک پائے تھے۔ کوچ سلمان بٹ نے اولمپک چیمپیئن کی مایوس کن کارکردگی کی وجہ سوئٹزرلینڈ کے موسم سے ہم آہنگ نہ ہونا بتائی تھی۔

کوچ سلمان بٹ کے مطابق ارشد ندیم بھرپور تیاری کے ساتھ کامن ویلتھ گیمز میں شرکت کریں گے اور اُمید ہے کہ وہ اپنے اعزاز کا دفاع کریں گے۔

گیمز سے قبل ارشد ندیم نے اپنے ٹائٹل کے دفاع کے چیلنج کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ یہ مقابلہ پہلے سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔

ارشد ندیم اور نیرج چوپڑا کی حالیہ کارکردگی

پاکستان اور انڈیا کے درمیان حالیہ کشیدگی کے پیش نظر اس مرتبہ بھی سب نظریں ارشد ندیم اور نیرج چوپڑا پر مرکوز تھیں۔

ماضی میں ہونے والے عالمی مقابلوں میں دونوں کھلاڑی تھروز کے درمیان ایک دوسرے کو داد دیتے رہے ہیں۔ لیکن حالیہ ایونٹس میں دونوں ایک دوسرے سے دُور دُور ہی رہے ہیں۔ گذشتہ برس ورلڈ ایتھلیٹکس چیمپیئن شپ کے فائنل میں دونوں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کر پائے تھے۔

نیرج چوپڑا نے سنہ 2018 کے کامن ویلتھ گیمز میں سونے کا تمغہ حاصل کیا تھا جبکہ سنہ 2022 میں وہ حصہ نہیں لے سکے تھے۔

وہ انجری سے صحت یاب ہو کر واپسی کر رہے ہیں۔ رواں برس جون میں اُنھوں نے دوحہ میں ڈائمنڈ لیگ میں 69.85 میٹر کی تھرو کے ساتھ چوتھی پوزیشن حاصل کی تھی۔

گذشتہ برس مئی میں پاکستان اور انڈیا کے درمیان جھڑپوں کے بعد نیرج چوپڑا نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ اُن کے لیے ارشد ندیم کے ساتھ پہلے جیسے تعلقات برقرار رکھنا شاید ممکن نہیں ہوگا۔

نیرج چوپڑا کا کہنا تھا کہ اُن کی کبھی بھی ارشد ندیم کے ساتھ گہری دوستی نہیں تھی، صرف ایک باہمی احترام پر مبنی رشتہ تھا۔

ارشد ندیم کون ہیں؟

پاکستان کے لیے 40 برس بعد اولمپکس میں جیولن تھرو مقابلوں میں گولڈ میڈل جیتنے والے سٹار ایتھلیٹ ارشد ندیم کا تعلق میاں چنوں کے نواحی گاؤں چک نمبر 15-101 ایل سے ہے۔ انھوں نے 2024 میں برس پیرس اولمپکس میں 92.97 میٹر کی تھرو کے ساتھ نہ صرف جیولن فائنل جیتا بلکہ اولمپکس میں سنہ 2008 میں قائم کیا گیا ریکارڈ بھی توڑا۔

انھیں اولمپکس میں گولڈ میڈل جیتانے والی ایک تھرو 92.97 میٹر جبکہ دوسری 91.79 میٹر کے فاصلے تک گئی۔

ارشد اس سے قبل کامن ویلتھ گیمز اور ایشین گیمز میں بھی طلائی تمغہ حاصل کر چکے ہیں۔

ارشد ندیم کا سفر میاں چنوں کے گھاس والے میدان سے شروع ہوا جو انھیں انٹرنیشنل مقابلوں میں لے گیا۔

میراپاکستان، میری پہچان
14 AUGUST
HAPPY
INDEPENDENCE DAY
PAKISTAN
ONE NATION | ONE VISION | ONE FUTURE
Let's celebrate freedom, unity, and the bright future of our beloved country.
Proud to be Pakistani!
منجانب
سعدیہ حق
بیورو چیف لاہور

جشنِ آزادی مبارک
14th August
منجانب
ملیحہ عمران (انگلینڈ)

پاکستان ہماری پہچان، ہماری شان
ٹاؤن قاسم آباد میونسپل کارپوریشن، حیدرآباد کی جانب
سے پاکستان کی پوری قوم کو یومِ آزادی، 14 اگست کے
پُرمسرت موقع پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد
پاکستان زندہ باد!
جشن آزادی مبارک
منجانب:
عبدالغفور درس ٹاؤن چیئرمین
ٹاؤن قاسم آباد میونسپل کارپوریشن، حیدرآباد

میرا وطن، میری پہچان، میرا پاکستان
جشن آزادی
ٹاؤن حسین آباد میونسپل کارپوریشن، حیدرآباد کی جانب
سے پاکستان کی پوری قوم کو یومِ آزادی، 14 اگست
کے پُرمسرت موقع پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد
پاکستان
زندہ باد!
منجانب:
عمیر مولابخش چانڈیو
چیئرمین، ٹاؤن حسین آباد میونسپل کارپوریشن، حیدرآباد

آزادی ایک نعمت
وطن ایک امانت
جشنِ آزادی مبارک
محکمہ اوقاف سندھ
دینی اقدار، قومی یکجہتی اور معاشرتی بھلائی
کے فروغ کے لیے اپنی ذمہ داریاں ادا
کرنے کے عزم کا اعادہ کرتا ہے۔
محکمہ اوقاف، حکومتِ سندھ کی جانب سے پاکستان کی پوری
قوم کو یومِ آزادی کی مبارکباد
پاکستان ہمارے بزرگوں کی لازوال جدوجہد، قربانیوں اور
عزم کا ثمر ہے۔ یہ وطن ہمارے لیے ایک عظیم نعمت بھی ہے
اور ایک مقدس امانت بھی۔
منجانب:
چیف ایڈمنسٹریٹر
محکمہ اوقاف، حکومتِ سندھ

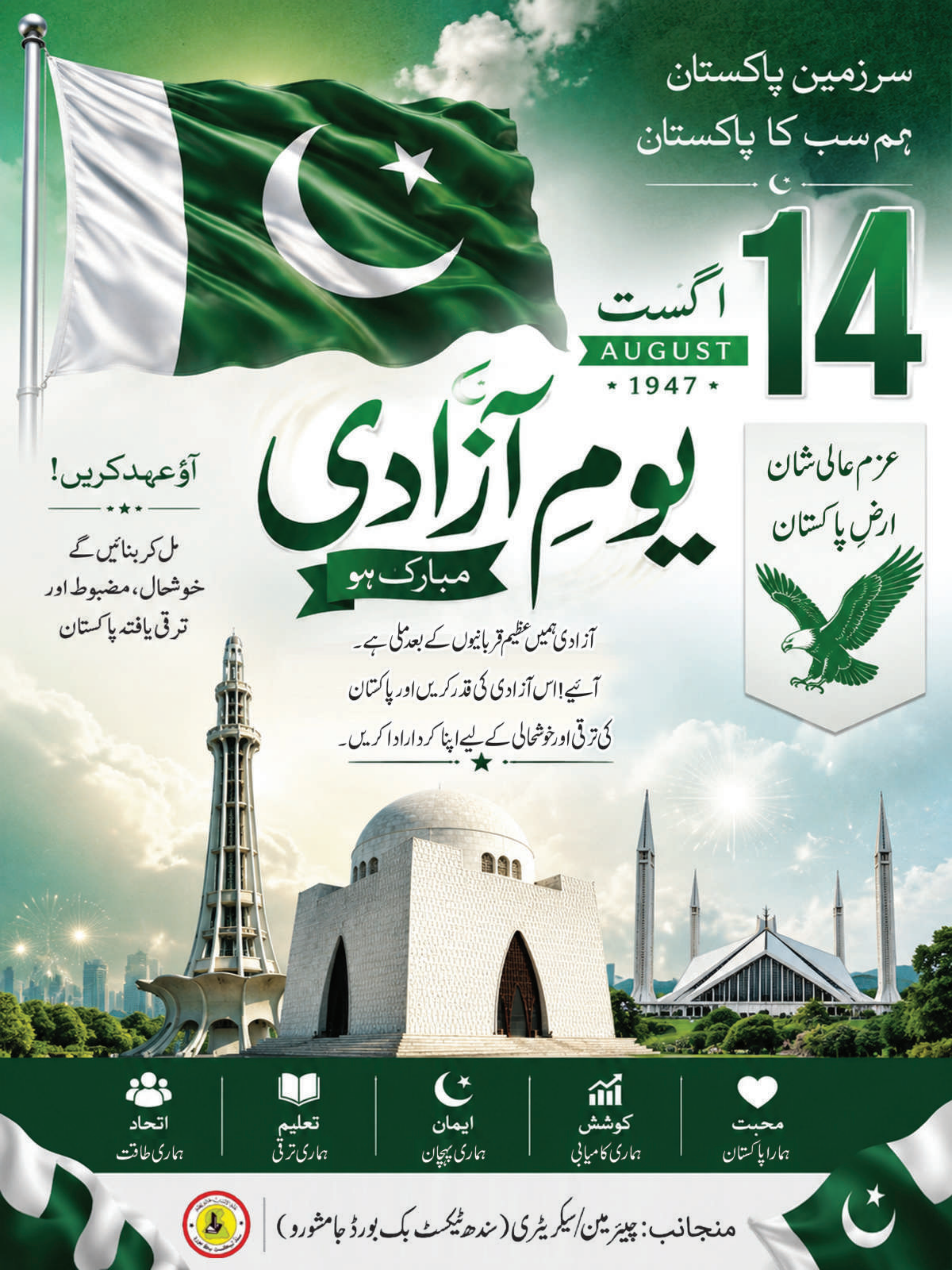
سرزمین پاکستان
ہم سب کا پاکستان
14
اگست
AUGUST
* 1947 *
یومِ آزادی
مبارک ہو
آؤ عہد کریں!
مل کر بنائیں گے
خوشحال، مضبوط اور
ترقی یافتہ پاکستان
عزمِ عالی شان
ارضِ پاکستان
آزادی ہمیں عظیم قربانیوں کے بعد ملی ہے۔
آئیے! اس آزادی کی قدر کریں اور پاکستان
کی ترقی اور خوشحالی کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔
محبت
ہمارا پاکستان
کوشش
ہماری کامیابی
ایمان
ہماری پہچان
تعلیم
ہماری ترقی
اتحاد
ہماری طاقت
منجانب: چیئرمین/سیکریٹری (سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورو)